وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالمَعْرُوْفِ (النساء ۱۹)

(اور عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے زندگی بسر کیا کرو)

خواتین کی عظمت اور ان کے حقوق

اسلام کی نظر میں

تالیف

مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی

استاد مدرسہ بدر الاسلام، بیگوسرائے

شائع کردہ:

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76 A/1, Main Market, Okhla Village

Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Ph: +91-11-26322991, Telefax: +91-11-26314784

E-mail: aimplboard@gmail.com

(© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب: ..... خواتین کی عظمت اور ان کے حقوق اسلام کی نظر میں

تالیف: ..... مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی

طبع اول: ..... شعبان ۱۴۲۴ھ/ اکتوبر ۲۰۰۳ء

طبع دوم: ..... مارچ ۲۰۱۲ء

تعداد: ..... ایک ہزار

کمپوزنگ: ..... مرکزی دفتر بورڈ، نئی دہلی (محمد ارشد عالم)

پروف ریڈنگ: ..... وقار الدین لطیفی

صفحات: ۷۲

قیمت: ۵۰/روپئے

فہرست

پیش لفظ ۵
اپنی بات ۷
عورت کی عظمت اور اس کی مظلومیت ۱۱
کیا عورت مرد سے کم تر ہے؟ ۱۱
عورتوں کی حوصلہ افزائی ۱۳
عورت کی عظمت ماں کی حیثیت سے ۱۵
عورت کی عظمت بیوی کی حیثیت سے ۱۶
عورت کی عظمت بیٹی کی حیثیت سے ۱۸
عورت کی عظمت رضاعت کی بنیاد پر ۲۰
رضاعی ماں کی عزت ۲۰
ہم پلکیں بچھانے والے ہیں! ۲۰
رضاعی بہن کی عزت ۲۲
رضاعت کے رشتے نے دشمن کو دوست بنا دیا ۲۲
ایک خاتون کے عمل کی تقلید ۲۳
تعلیم نسواں ۲۶
خواتین کے علمی کارنامے ۲۷
تعلیم کی نوعیت ۳۰
موجودہ حالات میں تعلیم نسواں کی اہمیت اور طریقۂ کار ۳۱
خواتین اسلام کے مجاہدانہ کارنامے ۳۳
عورت و مرد کے بعض حقوق کے مختلف ہونے کی وجہ ۳۸
تعدد ازدواج کا حق ۳۹
بچوں کی پرورش کا حق ۴۱
تنہا سفر کرنے کا حق ۴۱
طلاق کا حق ۴۲
ترکہ میں عورت کا حق ۴۳
عورت کے لیے پردہ کا حکم کیوں ۴۴
پردہ خواتین کی عفت و عصمت کا محافظ ۴۷
تقسیم کار کا اصول ۴۹
تقسیم کار کی مصلحتیں ۵۰
فطرت کا قانون ۵۱
فطری حقیقتوں کی رعایت ۵۲
فطرت سے انحراف کا انجام ۵۴
جدید دنیا کا اعتراف ۵۶
مرد و عورت کی دو حیثیتیں ۵۷
خلاصۂ کلام ۵۸
حقوق نسواں کے حوالے سے اسلام اور مغرب کا تقابلی مطالعہ ۶۰
پہلا منظر نامہ ۶۱
دوسرا منظر نامہ ۶۲
نتیجہ ۶۵
خواتین خیر کا سرچشمہ ہیں ۶۶

پیش لفظ

الحمد لله والصلوٰة والسلام علی رسول اللّٰہ محمد و علی آله وصحبه اجمعین. اما بعد

زمانۂ جاہلیت میں عورت ایک منحوس اور بدترین جنس سمجھی جاتی تھی۔ اس کو ایسی ذلت کے گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا کہ وہ سامان استراحت تو تھی؛ مگر خود انسانی حیثیت سے اس کا کوئی مقام اور وقار نہیں تھا، اگر کسی کے گھر لڑکی کی پیدائش ہوتی تو اس کو دنیا میں آتے ہی زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ جو ایک بڑا مجرمانہ فعل تھا۔ جب اسلام کی شعاع خطۂ ارض پر پھیلی تو اس نے شعار جاہلیت کے اس فرسودہ نظام اور رسم ورواج کے طلسم پر کاری ضرب لگائی اور نسل انسانی کے تحفظ و بقاء کے لیے معاشرہ میں عورت کے وجود کو نعمت قرار دیا، اس کو خانگی زندگی کا سرتاج بنایا، اس کے حقوق وآداب بتلائے، وراثت میں اس کو حصہ دلوایا، اس کی جان و مال، عزت وآبرو اور عصمت وعفت کو محفوظ سے محفوظ تر کردیا حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مرض الموت میں جو آخری کلمہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ: **اتقوا اللّٰہ فی النساء**، اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، یہ امانتیں ہیں، جو تمہارے سپرد کی گئی ہیں، ایسا نہ ہو کہ تم امانت میں خیانت کر بیٹھو اور قیامت کے دن تم سے باز پرس ہو۔

اسلام کے اسی پاکیزہ معاشرتی نظام کی وجہ سے اس کی روشنی پورے عالم میں پھیلی۔ غلط سماجی بندشوں میں جکڑی ہزاروں عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ افسوس کہ اسلام کی اس پھلتی پھولتی نظام معاشرت کو مغربی تہذیب وتمدن نے مسخ کرنے کی کوشش کی، عورتوں

کے بے محابہ اختلاط کو تہذیب جدید کا لیبل کہا اور اسکو بازارِ حسن کی زینت بنا کر اس کی ردائے عفت کو داغدار بنادیا۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہماری نئی نسل بھی مغربی کلچر سے متأثر ہوتی جارہی ہے مغربیت کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے اسلامی دعاۃ ومصنفین نے کئی بیش قیمت کتابیں لکھیں، ان میں سے بعض اپنے موضوع ومقصد اور قوت استدلال کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں اور اس موضوع پر مرجع وسند کی حیثیت رکھتی ہیں، تاہم طوالت و ضخامت کے سبب بہت سے لوگ اس سے پورے طور پر استفادہ نہیں کرپارہے ہیں۔ ضرورت تھی کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور متقدمین علماء وفقہاء کے مستدلات کو سامنے رکھتے ہوئے اردو میں اس موضوع پر مختصر مگر جامع کتاب مرتب کی جائے۔

مقام شکر ومسرت ہے کہ میری خواہش پر ہونہار عالم دین مولانا مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور دل نشیں انداز وخوبصورت پیرایہ میں عورتوں کے اسلامی حقوق کو خالص کتاب وسنت اور دین فطرت کی روشنی میں مستند طریقہ سے مرتب کیا۔ اللہ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے۔

یہ رسالہ عام لوگوں کے فائدے کے لیے اکتوبر ۲۰۰۳ء میں بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس پٹنہ کے موقع سے پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے طبع کروایا گیا تھا اب دوبارہ ضروری حذف واضافہ اور ترمیم کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اس کو پسند فرمائیں گے۔

۲۰۱۲/۳/۲ء

سید نظام الدین

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اپنی بات

الحمد لله رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم،

اما بعد!

اسلام خدائے علیم وخبیر کا نازل کردہ آخری ودائمی اور ابدی وعالم گیر قانون ہے۔ جس میں قیامت تک کی انسانیت کی فوز وفلاح، سعادت وکرامت اور کامیابی وکامرانی مضمر ہے۔ اسلام کے تمام قوانین عادلانہ مبنی برانصاف اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ شخصی و ذاتی زندگی سے لے کر اجتماعی ومعاشرتی زندگی تک کے تمام احکام وقوانین حکمت ومصلحت پر مبنی ہیں۔

دیگر قوانین کی طرح اسلام کا عائلی قانون (مسلم پرسنل لا) بھی اپنی جامعیت، ہمہ گیری، انسانی فطرت سے ارتباط اور عدل وانصاف پر مبنی ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔ جس کی مثال کسی بھی قدیم وجدید نظام معاشرت میں نہیں پیش کی جاسکتی ہے؛ لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ اسلام مخالف عناصر نے اپنے بے ہودہ اعتراضات اور لایعنی ہفوات کا ہدف سب سے زیادہ اسلام کے عائلی نظام اور شخصی قوانین ہی کو بنایا۔ خاص طور پر بڑے زور وشور سے منصوبہ بند انداز میں یہ راگ الاپا گیا کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ ظلم کیا گیا، ان کی حق تلفی کی گئی، ان کے لیے امتیازی قوانین وضع کیے گئے اور انھیں فروتر درجہ دیا گیا۔ اس جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ کو ذرائع ابلاغ، اخبارات، رسائل، ٹیلیویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ اس تسلسل کے ساتھ دہرایا جاتا رہا کہ عوام تو عوام بعض ''خواص'' بھی اس بہتان کو سچ باور کرنے لگے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے جس فراخ دلی کا مظاہرہ کیا، ان کے بارے میں جس حقیقت پسندی اور عدل وانصاف کا ثبوت دیا اور جس طرح فطری وطبعی تقاضوں کی بھرپور رعایت کی، اس کی نظیر کسی مذہب، قانون، نظام معاشرت اور کسی نظریہ وفکر میں نہیں مل سکتی؛ اس لیے کہ اسلام کا ''شارع'' وہ لافانی ہستی ہے، جو خالق بھی ہے، حکیم بھی ہے، ازل سے ابد تک کا علم بھی رکھنے والا ہے اور بندوں کے نفع ونقصان کو خوب سمجھنے والا ہے۔ جو خود اپنے بارے میں فرماتا ہے: **ألا یَعْلَم مَن خلق وھو اللطیف الخبیر** (ملک ۱۴) کیا وہ اس کو نہ جانے گا، جس کو اس نے خود پیدا کیا ہے اور وہ نازک اور وسیع علم رکھنے والا ہے۔

لیکن پروپیگنڈہ کی اس گرم بازاری میں سچائی کو تسلیم کرنے اور ''فغان درویش'' سننے کے لیے کوئی تیار نہیں، حقیقت کہیں خرافات میں دب کر رہ گئی، غیر تو غیر خود مسلم سماج میں خواتین کے ساتھ جو غیر مساویانہ سلوک کیا جارہا ہے، وہ باعث افسوس ہی نہیں لائق مذمت بھی ہے۔ اس غیر مناسب سلوک کی وجہ سے دشمنان اسلام کو انگشت نمائی کا کچھ زیادہ ہی موقع مل جاتا ہے۔ مزید یہ کہ زمانہ کی برق رفتاری نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چلنے والی بادمخالف کی تندی کو شدید تر کردیا ہے، موجودہ حالات میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مشنری پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم نظر آرہی ہے اور حقوق نسواں کے حوالے سے مگر مچھ کا آنسو بہا کر، معصوم اذہان کو اسلام کے عائلی نظام کے سلسلے میں پراگندہ کرنے کے لیے نت نئے حربے اپنا رہی ہے۔

ان حالات سے افسردہ ہونا زندہ قوم کی علامت نہیں، ضرورت ہے کہ سچائی کو پوری توانائی کے ساتھ دنیا کے سامنے لایا جائے، اسلامی نظام معاشرت کی خوبیوں کو اجاگر کیا جائے۔ اسلام نے خواتین کو کتنے اعلی درجہ کے حقوق دئے ہیں؟ اسلامی قوانین اور پردے کی مکمل رعایت کے ساتھ مسلم خواتین علمی وعملی میدانوں میں کن بلندیوں تک پہنچ سکتی

ہیں اور سماج کی تعمیر میں وہ کیسا فعال کردار ادا کرسکتی ہیں؟ ان تمام امور کو پوری وضاحت کے ساتھ جدید انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ خود مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے تعلق سے اپنے رویہ کو بدلے؛ تاکہ غیروں کے پروپیگنڈے کی ہوا خود بخود نکل جائے۔

اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے علماء ومفکرین اس حوالہ سے کبھی غافل نہیں رہے اور اس موضوع پر نوع بنوع مفصل و مدلّل کتابیں تحریر فرماتے رہے۔ لیکن ضرورت تھی ایک ایسی مختصر وجامع تحریر کی، جس میں عورتوں سے متعلق مسائل مثلاً: عورتوں کی عظمت، ان کے حقوق، تعلیم وتربیت، پردہ، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ جیسے موضوعات پر سادہ وسلیس انداز اور مثبت وایجابی پیرایے میں پیش کیا جائے۔ پیش نظر رسالہ اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ جسے مخدوم ومکرم حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے حکم کے مطابق تحریر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر قائم رکھے۔

اس کتاب کے طبع اول کو علمی حلقوں میں بنظر تحسین دیکھا گیا، روزنامہ منصف حیدرآباد، قومی تنظیم پٹنہ اور نقیب پھلواری شریف پٹنہ میں وقیع تبصرے لکھے گئے۔ کم وقت میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بورڈ کے بائیسویں اجلاس عام (ممبئی) کے موقع پر شائع کیا جارہا ہے۔

ناسپاسی ہوگی، اگر مربی مشفق جناب مولانا شفیق عالم قاسمی کی خدمت میں ہدیہ تشکر نہ پیش کروں کہ جن کی شفقت، محبت اور عنایت ہمارے عزم وحوصلہ کو مہمیز کرتی رہیں۔

اخیر میں خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس رسالے کو مسلم معاشرے میں بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ، خواتین کے شعور وآگہی کو جلا

بخشنے کا سبب اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ میں معاون بنائے اور راقم الحروف اور اس کے والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

محمد خالد حسین قاسمی نیموی
سابق صدر مدرس دارالعلوم الاسلامیہ، امارت شرعیہ، پٹنہ
سابق معین مدرس دارالعلوم دیوبند
مستقل پتہ: مولانا منزل ہرّ کی، بیگوسرائے بہار
مورخہ ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
مطابق ۶/مارچ ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت کی عظمت اور اس کی مظلومیت:

عورت خدائی تخلیق کا حسین شاہ کار ہے؛ جو معاشرے کی اہم ترین اور لازمی عنصر ہے، جس کی تخلیق حقیقت میں انسانیت کی تکمیل ہے، جس کے بغیر انسانی معاشرے کا تصور ناممکن اور نسل انسانی کی بقا محال ہے، دنیا میں جتنی بھی رنگینیاں ہیں، وہ اسی کے دم قدم سے ہیں۔ اس کی تعبیر کرتے ہوئے علاّمہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

لیکن یہ اہم ترین صنف اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود قوموں کی بدعقیدگی، فرسودہ خیالی، معاشرے کی فکری پستی اور رسم ورواج کی چکی میں پس کر ظلم وزیادتی کا ہمیشہ سے شکار بنتی رہی۔ جب اسلام کا آفتاب عالم تاب دنیا کے افق پر طلوع ہوا؛ تو جہاں اس نے دوسری بے شمار سماجی برائیوں کا خاتمہ کیا، وہیں عورت کے حوالے سے ہونے والی ظلم و زیادتی کا بھی خاتمہ کیا۔ اور مختلف حیثیتوں سے اس کا درجہ اتنا بلند کر دیا اور اسے عزت و عظمت کے اس مقام پر فائز کر دیا، کہ جس کا آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کیا عورت مرد سے کمتر ہے؟

لیکن سچائی کو جھٹلانا ہر زمانے میں باطل پرستوں کا شیوہ رہا ہے۔ چنانچہ اس

زمانے میں بھی اسلام دشمن عناصر نے شریعت محمدیہؐ کی شبیہ مسخ کرنے اور اسے بدنام کرنے کی معاندانہ مہم شروع کر رکھی ہے، جس کے تحت اسلام کے خلاف بڑے شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اس نے عورت کو کمتر اور حقیر درجہ دیا ہے؛(۱) جس کے نتیجے میں یہ بے بنیاد بات اس قدر عام ہوتی جا رہی ہے، جیسے کہ وہ کوئی ثابت شدہ واقعہ ہو! جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس الزام کے بالکل برعکس، اسلام نے عورت کا درجہ بڑھایا اور اسے ذلت وحقارت سے نکال کر رفعت و بلندی کے اعلی مقام پر فائز کر دیا، اس کے نزدیک عورت کا درجہ وہی ہے جو مرد کا ہے، عزت واحترام اور توقیر وتکریم کے جو احکام ایک صنف کے لیے ہیں؛ وہی احکام دوسری صنف کے لیے بھی ہیں، دنیوی زندگی کے واجب حقوق اور اخروی زندگی کے انعامات ونوازشات میں دونوں صنفوں کے درمیان فرق نہیں۔ خدا کی رضا جوئی اور آخرت کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے جو بنیادی شرائط درکار ہیں؛ وہی عورتوں کے لیے بھی ہیں، اور مردوں کے لیے بھی، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات والقانتين والقانتات والصادقين والصادقات والصابرين والصابرات والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات والحافظين فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيرا والذاكرات اعدالله لهم مغفرة و اجرا عظيما (الأحزاب ۳۵)

ترجمہ: بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایماندار عورتیں

۱۔ اس طرح کی اولین الزام تراشی انگریزی زبان میں قرآن کے مترجم ایڈورڈ ولیم نے کی تھی۔ ایڈورڈ نے لکھا ہے "The Fatal Point of Islam is the Degardation of woman" کہ اسلام کا تباہ کن پہلو اس کا عورت کو حقیر درجہ دینا ہے۔ ایڈورڈ ولیم کی کتاب (Selection From Quran) کی اشاعت کے بعد یہ ہرزہ سرائی اس قدر عام ہوئی کہ ہر کس وناکس اس کو دہرانے لگا!!

اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے واسطے معافی اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں وہ تمام بنیادی صفات بیان کردی گئی ہیں؛ جو ہر اس انسان میں ہونی چاہیے، جو اللہ کے یہاں اس کے مقبول و پسندیدہ بندے میں شامل ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر یہ صفات کسی مرد میں ہوں، تو وہ کامل مرد ہوگا۔ اور اگر کسی عورت میں ہوں تو وہ کامل خاتون ہوگی۔

عورتوں کی حوصلہ افزائی:

اس کے علاوہ ترقی و کمال حاصل کرنے کے جو مواقع اسلام نے مردوں کے لیے فراہم کیے ہیں؛ وہ مواقع عورتوں کے لیے بھی فراہم کیے ہیں، ایک مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیت سے عزت اور ترقی کے ان بلند سے بلند مدارج تک پہونچ سکتی ہے؛ جن تک مرد پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کا عورت ہونا کسی طور پر بھی اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ میں اسلامی قانون، مرد اور عورت کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتا، دیوانی (Civil Code) اور فوجداری (Criminal) کے مقدمات و قوانین میں بھی عورت اور مرد کے درمیان مساوات قائم کی گئی ہے۔

ایمان اور عمل صالح کے ساتھ روحانی ترقی کے جو درجات مرد کو مل سکتے ہیں؛ وہی

عورت کے لیے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ مرد اگر حسن بصریؒ بن سکتا ہے، تو عورت کے لیے بھی رابعہ بصریہؒ بننے کے تمام تر مواقع موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

فاستجاب لهم ربهم أنى لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثىٰ بعضكم من بعض (آل عمران: ۱۹۵)

ترجمہ: پھر قبول کی ان کی دعاء ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا، محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے؛ خواہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔

ومن يعمل من الصلحات من ذكر او أنثىٰ وهو مؤمن فاولئك يدخلون الجنة ولايظلمون نقيراً (النساء: ۱۲۴)

ترجمہ: اور جو کوئی کام کرے اچھے؛ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو، تو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر۔

وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنّات تجرى من تحتها الأنهار خالدين فيها و مساكن طيبة فى جنّات عدن و رضوان من الله أكبر ذٰلك هو الفوز العظيم (التوبه: ۷۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے ایسی جنتوں کا، جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی؛ وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ محلات کا۔ وہ ہمیشگی کے باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

من عمل صالحاً من ذَكَر أو أنثىٰ وهو مؤمنٌ فَلَنحيينَّه حيٰوةً طيبةً و لنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون (النحل: ۹۷)

(جس نے نیک عمل کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس حال میں کہ وہ مومن ہو، تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔)

ان آیات میں بتایا گیا کہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی، جنت اور حیات طیبہ کے جو وعدے مردوں سے کیے گئے ہیں؛ وہ عورتوں کے لیے بھی ہیں؛ جو کام کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا۔ یہاں عمل شرط ہے، نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے؛ جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **ان النساء شقائق الرجال** ۔ کہ عورتیں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مردوں کے ہم پلّہ ہیں۔ (ترمذی، ص:۳۱ ج۱، ابوداؤد، ص:۳۵)

عورت کی عظمت ماں کی حیثیت سے:

دیگر مذاہب اور نظامہائے معاشرت کے برخلاف اسلام اور صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب اور نظام تمدن ہے، جس نے عورتوں کے لیے حقوق کا دروازہ کھولا۔ ان کے واضح حقوق متعین کیے اور حقیقی معنوں میں ان کے مفادات کا تحفظ کیا، آپ ﷺ نے ہی اولاد کو بتایا کہ خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ عزت، قدر و منزلت اور حسن سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے:

"**عن ابی هریرةؓ جاء رجل الی رسول الله فقال یا رسول الله! من أحق بحسن صحابتی؟ قال امک، قال ثم من؟ قال امک، قال ثم من؟ قال امک، قال ثم من؟ قال ابوک**" (بخاری کتاب الأدب، ۸۸۳/۲، ترمذی ۲/۱۲) ایک شخص جس کا نام روایتوں میں معاویہ بن حیدہ قشیری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! مجھ پر لوگوں میں حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا تیری ماں کا، اس نے پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، اس نے پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، اس نے پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا تیرے باپ کا۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ماں کی خدمت کو جہاد پر فوقیت دیتے ہوئے

فرمایا: **فان الجنة عند رجلها**. (نسائی، ص:۴۲۱) یعنی جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام ماں کی صورت میں عورت کو سب سے زیادہ قابل احترام بنا کر، ایسا معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ عورتوں کو عزت و احترام کا مقام حاصل ہو۔ اسی طرح ایک حدیث میں رسول کریمؐ نے ماں کی نافرمانی کو خاص طور پر حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا: **ان اللّٰه حرّم علیکم عقوق الأمهات، و وأدالبنات**. کہ اللہ نے تم پر ماں کی نافرمانی اور بیٹیوں کے زندہ درگور کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ (بخاری، ۸۸۴/۲)

آپ ﷺ نے عورتوں کی عزت کرنے والے کو شریف اور ان کی بے عزتی کرنے والے کو کمینہ و رذیل قرار دیا "**ما اکرم النساء الا الکریم و ما أهانهن الا اللئیم**" یعنی عورتوں کی عزت وہی شخص کرتا ہے، جو شریف ہو اور ان کی بے عزتی وہی کرے گا، جو کمینہ ہو۔ (تاریخ ابن عساکر: ۳۳۳/۴)

عورتوں کی عظمت بیوی کی حیثیت سے:

اسلام ہی وہ ابدی شریعت اور قانون ہے، جس نے بیوی کی عزت و احترام کو ضروری قرار دیتے ہوئے مرد پر لازم قرار دیا کہ وہ ہر حال میں عورتوں کا لحاظ رکھیں۔ اور انھیں خبردار کیا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں اور ان کے حقوق کی رعایت ہر حال میں لازم ہے: **ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف** (البقرہ: ۲۸)

(اور عورتوں کا بھی حق ہے، جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے؛ دستور کے موافق۔)

ارشاد نبوی ہے: **الا ان لکم علیٰ نسائکم حقاً ولنسائکم علیکم حقاً**

(ترمذی، ۲۲۰/۱)

(آگاہ! تمہاری عورتوں پر تمہارا اور تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کا حق ہے۔)

پھر وہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے، جنھوں نے ذلت و عار کے مقام سے اٹھا کر عورت کو، عزت و عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہونچا دیا اور شوہروں کو بتایا کہ نیک بیوی تمہارے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے:

"**عن عبداللّٰه بن عَمرو قال قال رسول اللّٰه ﷺ ان الدنیا کلها متاع و خیر متاع الدنیا المرأة الصالحةُ**" (مسلم، ۱/۴۷۵، نسائی، ۲/۶۰) آنحضرت ﷺ نے فرمایا دنیا کی ہر چیز سامان ہے اور دنیا کا سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے۔

"**لیس من متاع الدنیا شیءٌ أفضل من المرأة الصالحة**" (ابن ماجہ، ص: ۶۳۶، مطبوعہ مصر)

دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی بھی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے والے کو سب سے زیادہ کامل ایمان والا قرار دیا: **ان من اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً و الطفهم باهله.** (ترمذی: ۱/۲۱۹) یعنی مسلمانوں میں اس شخص کا ایمان زیادہ کامل ہے، جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ اچھا ہو، خاص کر وہ بیوی کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں عورت کے چھوٹے سے چھوٹے کام کو مرد کے بڑے سے بڑے کام کے مساوی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ..... **یا نسیبة! ان حسن تبعّل احداکن و طلبها لمرضاته یعدل جمیع ماذکرتِ من اجورِ الرجال.** یعنی اے نسیبہ! تم میں سے کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ اچھی طرح رہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے؛ یہ ان تمام اعمال کے مساوی ہے، جن کا تم نے مردوں کے سلسلے میں ذکر کیا۔ اسی طرح جب اسماءؓ بنت یزید عورتوں کی قاصد بن کر حضورؐ کے پاس

آئیں، تو آپ نے ان سے فرمایا: **ان حسن تبعّل المرأة لزوجها یعدل کل ذلک.** (استیعاب، ۲/۲۶، اسد الغابہ، ۵/۳۹۸)

عورتوں کی عظمت بیٹی کی حیثیت سے:

زمانۂ جاہلیت میں بیٹی کی پیدائش کو نحوست کی علامت اور ذلت کا سبب سمجھا جاتا تھا اور اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں وہ رسول اللہ کی ذات گرامی تھی جنھوں نے اس خیال کو مسترد فرمایا۔ اور باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود تیرے لیے باعث ننگ و عار نہیں؛ بلکہ اس کی پرورش تجھے جنت کا مستحق بناتی ہے "**من عال ثلاث بنات فأدبهن و زوجهن و احسن الیهن فله الجنة**" (ترمذی، ۲/۱۳) جس شخص نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، پھر ان کو ادب سکھایا اور ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔ "**من ابتلی من البنات بشیءٍ فأحسن الیهن کن له سترا من النار**" (بخاری: ۲/۸۸۷، مسلم: ۲/۳۳۰، ترمذی: ۲/۱۳) اللہ تعالیٰ جس شخص کو لڑکیوں کے ذریعہ کچھ آزمائے اور وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے؛ تو یہی لڑکیاں اس کے لیے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔ حضور ﷺ نے بچیوں کی پرورش و پرداخت کرنے والے کو قیامت کے دن اپنے سے قریب بتایا: **من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیٰمه انا وهو هکذا و ضم أصابعه۔** (مسلم: ۲/۳۳۰، بخاری: ۲/۸۸۸)

جس شخص نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں؛ تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا، کہ وہ مجھ سے اتنا قریب ہوگا، جیسے دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے بے سہارا بیٹیوں پر خرچ کرنے کو افضل ترین صدقہ قرار دیا:

عن سراقة عن النبی ﷺ الا أخبرکم بافضل الصدقة ابنتک مردوة الیک لیس لها کاسب غیرک۔ (ابن ماجہ، ص: ۱۲۱۰، مطبوعہ: قاہرہ) سراقہ بن

مالک نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمھیں افضل صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں، وہ تمہاری بیٹی ہے؛ جو شوہر کی وفات یا طلاق کی وجہ سے تمہارے جانب لوٹ کر آ گئی ہو، اس پر خرچ کرنا افضل صدقہ ہے۔

عورت کی عظمت رضاعت کی بنیاد پر

رضاعی ماں کی عزت:

اسلام نے عورت کو کتنا عظیم بنا دیا، اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے، کہ اس نے نہ صرف یہ کہ حقیقی ماں کو حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا؛ بلکہ اس عورت کو بھی اسلام نے اعلیٰ ترین تعظیم و تکریم کا مستحق ٹھہرایا؛ جس سے صرف رضاعت کا تعلق ہو، یعنی انسان نے اس کا بچپنے میں دودھ پیا ہو؛ جسے عرف عام میں رضاعی ماں کہتے ہیں۔ جس طرح اسلامی شریعت میں حقیقی ماں کو محرمات ابدیہ میں شمار کیا گیا؛ اسی طرح رضاعی ماں کو بھی محرمات ابدیہ میں شمار کر کے، اسے دائمی عزت و احترام کی حق دار بنا دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأمهاتكم اللاتي ارضعنكم** (النساء:۲۳) یعنی تمہاری وہ مائیں بھی تم پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئیں ہیں، جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب.** (ترمذی، ۱/۲۱۷) یعنی اللہ نے رضاعت کی بنیاد پر ان رشتوں کو حرام قرار دیا، جنھیں نسب کی بنیاد پر حرام قرار دیا۔

ہم پلکیں بچھانے والے ہیں:

رضاعی ماں کی عزت و احترام کے حوالے سے اسلام کی یہ تعلیمات محض خشک نظریہ نہیں ہے؛ بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود ان پر عمل کر کے، رہتی دنیا

تک کے لیے نقش راہ چھوڑ دیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوطفیلؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ میرے بچپنے کا واقعہ ہے، کہ میں نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''جعرانہ'' نامی مقام پر لوگوں کے درمیان گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ اسی درمیان ایک بدوی خاتون آئیں اور آں حضرت کے بالکل قریب پہنچ گئیں، تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے احترام میں ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک کو زمین پر بچھا دیا۔ چنانچہ وہ خاتون اس پر بیٹھ گئیں۔ (اس صورت حال پر مجھے تعجب ہوا) اور میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ (جن کی اس قدر عزت افزائی کی جا رہی ہے) تو لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہ خاتون آپ ﷺ کی رضاعی ماں ہیں۔ (ابوداؤد: ۳۵۳، ترمذی ۱/۱۳۸) حضرت عطاء بن یسارؒ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خاتون کی تعظیم میں کھڑے بھی ہو گئے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر ۴/۲۷۴) آپ کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں رضاعی ماں کے تئیں بے پناہ عزت و محبت موجزن تھی۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو ابن منکدرؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک خاتون؛ جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا، انھوں نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ جب وہ اندر آ گئیں تو آپ فرط محبت میں امی امی کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی، تو وہ خاتون اس پر بیٹھ گئیں (طبقات ابن سعد ۱/۹۲) اسی طرح ابولہب کی باندی ثوبیہؓ جنھوں نے حلیمہ سعدیہؓ سے پہلے آپ کو چند دنوں دودھ پلایا تھا، آں حضرت ﷺ ان کی بھی بڑی عزت کیا کرتے اور مکی زندگی میں ان کی ضروریات کی تکمیل کرتے تھے، حضرت خدیجہؓ بھی ان کا اکرام کرتی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ ان کی خبر گیری کرتے رہے اور ان کے پاس کپڑے اور ضروریات کے دوسرے سامان بھیجواتے رہے۔ (طبقات ابن سعد ۱/۸۸)

رضاعی بہن کی عزت:

عزت و احترام کا یہ معاملہ صرف رضاعی ماں ہی تک محدود نہیں تھا؛ بلکہ اس میں دیگر رضاعی رشتہ دار بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس حوالے سے یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر ہوازن کے دیگر افراد کے ساتھ شیماء بنت حارث بھی قید ہو کر آ گئی تھیں؛ جو آپ کی دودھ شریک بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے اپنی دودھ شریک بہن کو پہچان لیا، ان کا استقبال کیا اور ان کی نشست کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔ اس موقعہ پر شدت جذبات سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا: اگر تم میرے پاس ٹھہرو تو بہتر ہے اور اگر اپنی قوم میں جانا چاہتی ہو تو تمہیں اختیار ہے۔ انھوں نے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ انھیں رخصت فرمایا اور ان کی دل جوئی کے لیے متعدد غلام، اونٹ بکریاں وغیرہ بھی ان کے ساتھ کر دیا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۴، رحمۃ للعالمین ۱/۱۲۹)

رضاعت کے رشتے نے دشمن کو دوست بنا دیا:

رضاعت کی بنیاد پر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رضاعی ماں اور بہنوں کے ساتھ ہی عزت افزائی کا معاملہ نہیں فرمایا؛ بلکہ ایسے افراد کے ساتھ بھی احسان و کرم کا معاملہ فرمایا، جو آپ کے جانی دشمن تھے اور جنھوں نے آپ کے خلاف تیر اندازی کی تھی؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے انھیں معاف فرما دیا۔

چنانچہ غزوہ حنین کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ میدان جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے، کہ قبیلہ ہوازن کے چھ سردار آئے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا بھی تھے، انہوں نے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہا: اے محمد! آپ کی قید میں جو لوگ

ہیں، ان میں سے کچھ آپ کے دودھ کی خالائیں، کچھ پھوپھیاں اور کچھ گود میں لینے والی خواتین ہیں؛ لہذا انھیں اور ان کے ساتھ جو قید ہیں، ان سب کو آزاد کر کے ہمارے اوپر احسان فرمایئے۔ حضور ﷺ کو ان پر رحم آ گیا اور آپؐ نے فرمایا ہاں! میں خود آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اپنے حصے اور اپنے خاندان کے حصے میں آنے والے قیدیوں کو، بآسانی چھوڑ سکتا ہوں اور اگر میرے ساتھ صرف انصار و مہاجرین ہوتے، تب بھی تمام قیدیوں کو چھوڑ دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس لشکر میں میرے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں؟ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ تدبیر کریں کہ کل بعد نماز صبح مجمع عام میں قیدیوں کی رہائی کی درخواست پیش کریں؛ چنانچہ وہ لوگ دوسرے دن آئے اور مجمع عام میں رہائی کی درخواست نبی کریمؐ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے رشتے کی بنیاد پر، اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا۔ انصار و مہاجرین نے بھی آں حضرت ﷺ کی اتباع میں قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ اب بنی سلیم اور بنی فزارہ رہ گئے۔ ان کے لیے یہ بات تعجب خیز تھی کہ حملہ آور دشمن پر (جو خوش قسمتی سے مغلوب ہو گیا) ایسا رحم و لطف کیوں کیا جا رہا ہے؟! اس لیے انھوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہیں کیا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کو بلا کر ہر قیدی کی قیمت چھ اونٹ کے حساب سے، اپنی طرف سے ادا کر دی۔ اور تمام قیدیوں کو اپنی طرف سے جوڑے پہنا کر رخصت فرمایا۔ کیا چشم فلک نے ایسا نظارہ کبھی دیکھا ہے کہ محض رضاعی ماں سے علاقائی اور خاندانی قرابت رکھنے کی بنیاد پر اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی فیاضی برتی گئی ہو!!

ایک خاتون کے عمل کی تقلید:

اسلام نے خواتین کو جس باعزت بلند مقام پر فائز کیا ہے؛ اس کی ایک علامتی

مثال وہ ہے جو دنیا کی عظیم خاتون حضرت ہاجرہؓ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ ہزاروں سال گذرنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ ان کا نام زندہ و پائندہ ہے؛ بلکہ لاکھوں افراد ہر سال؛ بلکہ ہر دن ایک خاص عمل میں ان کی تقلید بھی کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں رونما ہونے والی کرامت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

اسلام کی عبادتوں میں سے ایک عظیم عبادت حج ہے؛ جو ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے، حج کے دوران جو اعمال کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک خاص عمل صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ہے۔ ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان دو پہاڑیوں کے درمیان سات بار دوڑے۔ درحقیقت یہ دوڑنا اس خاتون کے عمل کی تقلید ہے؛ جنھیں تاریخ میں ہاجرہ کہا جاتا ہے۔ اور جو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سات بار دوڑی تھیں۔ اس لیے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے وہاں پہنچے۔ تو وہ بھی وہاں سات بار چکر لگائے۔ ان کے عمل کو اللہ کی جانب سے اتنی مقبولیت ملی، کہ ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم تمام انسانوں کو دیا گیا۔ اب سے چار ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو مکہ معظّمہ چھوڑ آئیں۔ تاکہ وہاں کے آزاد ماحول میں ایک زندہ قوم بسے اور بعد کو پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا ساتھ دے کر انقلابی کردار ادا کرے۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر مکہ معظّمہ آئے۔ جو اُس وقت بالکل چٹیل میدان تھا وہاں نہ عمارت تھی، نہ آدم زاد، نہ اس کے کھانے پینے کا کوئی سامان۔ اس بے آب و گیاہ علاقہ میں جب حضرت ابراہیمؑ ان کو چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؑ نے دریافت کیا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، نہ یہاں کوئی آدمی ہے نہ اسباب حیات؟ کیا یہ اللہ کا حکم ہے۔ فرمایا ہاں! یہ سن کر وہ کہنے لگیں **اذاً لایضیعنا** (جب تو وہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا)

جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کو اس خشک مقام پر چھوڑ کر چلے

گئے، تو ایک مرتبہ حضرت ہاجرہؑ کو شدید پیاس لگی اور بچہ بھی پیاس کی شدت کی وجہ سے بلکنے لگا۔ چوں کہ یہ منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا، اس لیے وہ پانی کی تلاش میں ''صفا'' پہاڑی کی طرف چلی گئیں۔ جب وہاں کچھ نہیں ملا، تو دوڑ کر ''مروہ'' پہاڑی پر پہنچیں، لیکن وہاں بھی کچھ نظر نہیں آیا تو شدت بے چینی میں کبھی صفا پر جاتیں کبھی مروہ پر۔ ساتھ مرتبہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا: **فلذلک سعیٰ الناس بینھما.** (کہ جب اسی وجہ سے لوگ ان کے درمیان سعی کرتے ہیں) معلوم ہوا کہ حضرت ہاجرہؑ کا یہی وہ عظیم تاریخی عمل ہے، جس کی تقلید میں ہر حاجی اور معتمر آج بھی دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات بار سعی کرتا ہے۔ خدا کی راہ میں قربانی دینے والی اس خاتون کے لیے یہ اللہ کا مہتم بالشان انعام ہے، جو اس نے دنیا کے تمام مردوں اور عورتوں کے لیے اس کے عمل کی پیروی کو لازم قرار دے کر عطا فرمایا۔ عورت کی عظمت و بزرگی اور اس کی رفعت و بلندی کا اس سے بڑا کوئی مظاہرہ نہیں ہوسکتا، کہ ہمیشہ کے لیے اُس دیار کے سفر کرنے والے تمام انسانوں کو ایک عورت کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دے دیا جائے۔

تعلیم نسواں

دیگر شعبوں کی طرح عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی اسلام نے فراخ دلی سے کام لیا عورتوں کو دینی و دنیوی علوم کے سیکھنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی گئی ہے؛ بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو بھی اتنا ہی ضروری قرار دیا گیا، جتنا کہ مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں جب ہم سیرت نبویؐ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جس طرح دین و اخلاق کی تعلیم مرد حاصل کرتے تھے، اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں، آپ خواتین کی تعلیم کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ان کے لیے اوقات متعین فرما دیئے تھے؛ جن میں وہ آپ سے کسب فیض کیا کرتی تھیں؛ چنانچہ اس سلسلے میں امام بخاریؒ نے کتاب العلم (۱/۲۱) میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے: **ھل یجعل للنساء علی حدۃ فی العلم**'' کیا عورتوں کے لیے تعلیم کا الگ سے وقت مقرر کرنا چاہیے؟ اور اس کے ذیل میں ایسی متعدد احادیث کو درج کیا ہے۔ جن سے عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نہ صرف عورتوں کی، بلکہ مردوں کی بھی معلّمہ تھیں۔ عام شریف عورتوں کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے باندیوں اور خادماؤں تک کو علم و ادب سکھانے کی ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: **ایما رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلمھا فاحسن تعلیمھا و ادبھا فاحسن تادیبھا ثم اعتقھا فزوجھا فلہ اجران** (بخاری: ۱/۲۰) یعنی جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو؛ اور وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے اور پھر اس کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دے؛ اس کے لیے

دوہرا اجر ہے۔ آنحضرتؐ کے ایسے کلمات کی وجہ سے عہد رسالت کی خواتین کا ایسا مزاج بن گیا تھا کہ دینی علوم حاصل کرنے میں قطعاً نہیں جھجکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:
''انصار کی عورتیں بھی خوب تھیں کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے میں حیاوشرم، ان کے لیے مانع نہیں بنتی تھیں''۔ (بخاری شریف: ۱/۲۴)

خواتین کے علمی کارنامے:

اسلام نے علم ومعرفت کے حصول پر جو غیر معمولی توجہ دی، اس کے نتیجے میں مردوں کے ساتھ خواتین میں بھی بے پناہ تعلیمی بیداری پیدا ہوئی اور خواتین بھی علمی میدانوں میں مثالی کارنامے انجام دینے لگیں۔

خواتین کے علمی کارناموں کے حوالے سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ آپؓ علم فضل میں ممتاز اور حدیث، فقہ، شاعری، انساب، تاریخ عرب اور طب غرض کہ ہر فن میں طاق تھیں۔ آپؓ سے بڑے بڑے صحابہؓ وتابعینؒ دینی علوم حاصل کرتے تھے اور آپ کی قانون دانی اور نکتہ رسی کا لوہا مانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی تک وہ باحیات رہیں۔ اور اس پوری مدت میں دین کی تفہیم وتشریح کا مستند ترین ذریعہ بنی رہیں، اور علوم شرعیہ سے لوگوں کو مستفیض کرتی رہیں۔ امت میں جب بھی کوئی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس اس سے متعلق ضرور علم پایا جاتا۔ اسی وجہ سے ان سے حدیث کی روایت کرنے والے سو سے زیادہ صحابہؓ وتابعینؒ ہیں۔ اور ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار دو سو تک پہونچتی ہے۔ (الاعلام: ۳/۲۴۰، للزرکلی)

آپ کے فیض یافتگان میں مشہور تابعیہ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن بنت سعد بن زرارہؓ ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ علم حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ چنانچہ ابوعیینہؒ کا بیان

ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے عمرہؒ اور قاسمؒ تھے (تہذیب التہذیب از ابن حجر۔ ۷/۱۸۲) اسی طرح مشہور محدث علی بن مدینیؒ ان کا نام بڑی عظمت کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ عمرہؒ ثقات علماء میں سے ہیں اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والی ہیں۔ (تہذیب التہذیب از ابن حجر۔ ۷/۱۸۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بھی اپنی فقاہت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے لیے مرجع بنی ہوئی تھیں۔ ان کی روایتوں کی تعداد ساڑھے تین سو سے متجاوز ہے۔ (اعلام الموقعین ۸/۹۸) وہ اپنی فقہی بصیرت سے مختلف امور میں فتویٰ بھی دیا کرتی تھیں۔ علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہوجائے۔ (اعلام الموقعین)

خواتین کی تعلیم پر اسلام کی غیر معمولی توجہ ہی کا نتیجہ ہے کہ بعد کے زمانے میں بھی ایسی بہت سی باکمال خواتین پیدا ہوتی رہیں؛ جن کے علمی کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مثلاً:

امام ابوجعفر طحاویؒ (۲۲۹ھ تا ۳۲۱ھ) کی صاحبزادی علم حدیث میں زبردست مہارت رکھتی تھیں، امام طحاویؒ اپنی مایۂ ناز کتاب ''شرح معانی الآثار'' کا املاء انھیں سے کرایا کرتے تھے، اس طرح ایک خاتون کے تعاون سے احادیث کا یہ عظیم ذخیرہ امت کے سامنے آیا۔

مشہور محدث وناقد حدیث علامہ ابن الجوزیؒ کی پھوپھی محدّثہ تھیں، ابن الجوزیؒ نے ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔

عظیم محدث علی باعساکرؒ نے حدیث کی تعلیم جن اساتذہ سے حاصل کی ہے، ان میں اسی سے زیادہ خواتین کے بھی نام آتے ہیں۔ (معجم الأدباء، ص: ۲۴۰)

ابونصر احمد بن فرج دینوری کی صاحبزادی فخر النساء شہدہؒ علم حدیث کی جلیل القدر معلّمہ تھیں، اور انھیں سے سماعت اور اجازت کے بعد، اسلامی حکومت کی مالیات (فینانس)

کے مسائل پر مشتمل اوّلین معرکۃ الآراء کتاب ''کتاب الاموال'' از ابوعبید قاسم بن سلامؒ (۱۵۴ھ تا ۲۲۴ھ) امت کے ہاتھوں تک پہنچی۔ چنانچہ اس کتاب کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے: ''**قرئ علی الشیخة الصالحة فخر النساء شهدة بنت ابی نصر الدینوری بمنزلها ببغداد**'' یعنی نیکوکار روخوش نویں، معلّمہ حدیث، فخر النساء شہدہ بنت ابی نصر کو بغداد میں ان کے گھر سنا کر سند حاصل کی گئی۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی علماء نے حدیث کی دوسری کئی اہم کتابیں ان سے پڑھ کر اس کی اجازت حاصل کی۔

(کتاب الأموال۔ص:۲ مطبوعہ، دمشق)

فاطمۃ الفقیہہ۔ علاء الدین سمرقندیؒ (المتوفی ۵۳۹ھ) صاحب ''**تحفة الفقهاء**'' کی صاحبزادی اور علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ صاحب ''بدائع الصنائع'' (م ۵۸۷ھ) کی اہلیہ۔ اپنی فقاہت اور علم وفضل کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتی ہیں؛ جس کی وجہ سے آج تک علماء کرام ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ) کی شہادت ہے **وکانت الفتوی تخرج من دارهم و علیها خطُّها و خط ابیها و زوجها** (ردالمحتار، ۱/۲۱۵، کتاب الطہارۃ) جب کوئی فتویٰ ان کے گھر سے نکلتا تو اس پر فاطمہؒ کی تحریر ہوتی اور ان کے والد علامہ سمرقندیؒ اور ان کے شوہر علامہ کاسانیؒ کی تحریریں ہوتیں۔

یہ چند مثالیں تھیں؛ ورنہ جب ہم رجال وطبقات کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں مردوں کے دوش بدوش بیشمار خواتین کے علمی کارنامے بھی ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے علمی دنیا کی کن بلندیوں کو چھوسکتی ہیں۔(۱)

۱۔ اس موضوع پر قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی عمدہ کتاب ''خواتین اسلام کے علمی کارنامے'' اور عمر رضا کحالہ کی عربی تصنیف ''اعلام النساء'' جو ۴ سو سے زیادہ فاضل وممتاز خواتین کا جامع موسوعہ ہے شائع ہوچکی ہے، تفصیل وہاں سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

تعلیم کی نوعیت:

جہاں تک نفس تعلیم وتربیت کا تعلق ہے، اسلام نے مرد وعورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے؛ بلکہ دونوں کو حصول علم کے یکساں مواقع فراہم کیا ہے۔ البتہ تعلیم کی نوعیت میں فرق ضرور کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم وتربیت وہ ہے؛ جو اس کو ایک بہترین بیوی، بہترین ماں، بلکہ انسانی معاشرے کا ایک اہم فرد اور ایک بہترین انسان بنائے۔ وہ علوم بھی اس کے لیے ضروری ہیں؛ جو اسے حسن عمل کے زیور اور اخلاق فاضلہ کے لباس سے آراستہ کریں اور اس کی فکر ونظر میں وسعت پیدا کریں۔ لیکن وہ علوم جو عورت سے اس کی نسوانیت چھین لیں، اس کو فطرت سے بغاوت پر آمادہ کریں، ہر حال میں اسلام میں مذموم ہیں۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے ہم علم کو دو قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ اول: علوم شرعیہ، دوم: علوم عصریہ۔ علوم شرعیہ میں سے عورت کے لیے ان تمام چیزوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے؛ جن کے ذریعہ وہ عقائد وایمان کو درست اور پختہ کرسکے عبادات کے فرائض و واجبات اور سنن ومستحبات کو صحیح طور پر ادا کرسکے، شوہر اور دیگر افراد خانہ کے حقوق کو سمجھ سکے۔ اپنے خاص مسائل: پردہ، شرعی لباس، غیر محرموں اور اجنبیوں کے ساتھ میل جول اور حیض و نفاس وغیرہ کے احکام کو جان سکے۔ نیز اس کے علاوہ عورت کے لیے یہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے کہ قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ سے متعلق علوم میں فضل وکمال حاصل کرے۔ تاکہ وہ عورتوں کے مسائل کی تہ تک پہنچ کر فتویٰ دے سکے۔ یا منصب قضاء پر فائز ہوکر عورتوں کے مسائل میں فیصلہ دے سکے۔ (اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدود وقصاص کے علاوہ تمام معاملات کی انجام دہی کے لیے عورت ''قاضی'' بن سکتی ہے۔) (المرأۃ بین الفقہ والقانون:۳۹)

علوم عصریہ میں عورتوں کے لیے طبی علوم کا جاننا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ مسلم

معاشرے میں ایسی خواتین کا موجود ہونا فرض کفایہ ہے؛ جو کہ علم طب یا میڈیکل سائنس کی ان مختلف فروعات میں ماہر ہوں، جن کی عورتوں کو زندگی کے مختلف مراحل مثلاً: ایام حمل، وضع حمل وغیرہ میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ تاکہ عورتوں کو مرد ڈاکٹروں کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اور مردوں کے سامنے بے پردگی کی نوبت اور غیر محرم کو اس کے ستر چھونے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس طرح بعض اوقات عورتوں کو شوہر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کے مالی تعاون کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔ لہذا عورت مختلف ایسے فنون میں مہارت حاصل کرسکتی ہے، (مثلاً دست کاری، کپڑا بننے اور سلنے وغیرہ کا ہنر سیکھ سکتی ہے) جو عورتوں کی طبیعت کے موافق ہو۔ رہے وہ علوم جو عورتوں کی طبیعت کے مناسب نہ ہوں جیسے تکنیکی علوم اور اداکاری و موسیقی کے علوم، تو ان کا سیکھنا عورتوں کے لیے شرعی طور پر درست نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ عورتوں کو جو بھی جائز تعلیم دی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور پردے کی مکمل رعایت کرتے ہوئے عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔

(المفصل فی احکام المرأۃ: ۲۰۲/۴، از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان۔ طبع اول بیروت ۱۹۹۳ء)

موجودہ حالات میں تعلیم نسواں کی اہمیت اور طریقۂ کار:

خواتین ہماری آبادی کا نصف حصہ ہیں، انھیں بھی اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت، صلاحیت و حرکیت اور دینی و روحانی ترقی کے جوہر عطا فرمایا ہے۔ ماں کی گود ہی وہ پہلا مکتب ہے جہاں ہر انسان کی اوّلین نشو ونما ہوتی ہے، یہیں سے کسی خاص وصف پر شخصیت و کردار کی ڈھلائی ہوتی ہے۔ یہاں سے ذہن و دماغ کو جو رُخ دیا جاتا ہے، وہ آدمی کی زندگی پر ہمیشہ حاوی رہتا ہے، اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ ملّت کے وہ عظیم افراد اور عبقری شخصیات، جن پر آج بھی ہمیں فخر ہے، عظیم ماؤں کی گود کے تربیت یافتہ تھے۔

لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں، ہماری غفلت و کوتاہی کے نتیجے میں خواتین کی اکثریت جہالت و ناخواندگی کی شکار ہے۔ یا دینی تعلیم سے صرف نظر کرکے وہ ایسی تعلیم حاصل کررہی ہیں، جن سے ان کی نسوانیت مسخ ہورہی ہے۔ یا ایسے اسکول و کالج میں پڑھ رہی ہیں، جہاں کے مخلوط ماحول اور لادینی فضا میں ان کی شرم و حیا، عفت و کردار مجروح اور اخلاق و دینداری اور تقوی و پرہیزگاری مفقود ہورہی ہے۔

عورتیں ہماری سوسائٹی کا ایک اہم جزو ہیں، ان کو دینی تعلیم سے محروم رکھنا ملت و معاشرے کے لیے تباہی اور فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ موجودہ حالات میں معاشرے کی تعمیر و اصلاح کا کام صحیح طور پر وہی خواتین انجام دے سکتی ہیں، جن کی پیشانیوں میں اقبال مندی کا جوہر اور عفت و حیا کی مہک ہو، جن کی آنکھوں میں عزم و یقین کی روشنی ہو اور سینے میں علوم نبوت کا نور ہو، ضروری حد تک جدید علوم سے بھی واقفیت ہو اور عصری تقاضوں کو بھی سمجھتی ہوں۔ اس لیے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ:

(۱) اسلامی طریقۂ تعلیم کے ذریعہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا مؤثر نظم کیا جائے۔

(۲) تعلیم یافتہ دیندار خواتین کے ذریعہ مسلم گھرانوں میں تعلیمی بیداری کی تحریک چلائی جائے اور مسلم خواتین میں دینی شعور اور اسلامی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

(۳) کم از کم بلاک سطح پر تعلیم نسواں کے ایسے ادارے ہونے چاہیے، جن میں لڑکیوں کو قرآن و حدیث اور دینیات کی تعلیم دی جاسکے اور انھیں روزمرہ کے لازمی مسائل سے واقف کرایا جاسکے۔

(۴) ضلعی سطح پر ایسے معیاری ادارے ہونے چاہیے؛ جہاں ثانوی سطح کی دینیات، فقہ، تفسیر اور امور خانہ داری کی تعلیم دی جائے۔

(۵) صوبائی اور ملکی سطح پر ایسے مرکزی و معیاری ادارے ہونے چاہیے، جن میں اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ خواتین کو جنرل میڈیسن، میٹرنیٹی اور جنرل نرسنگ کی

بھی ضروری تعلیم دی جائے، تاکہ انھیں علاج ومعالجہ کے امور سے نہ صرف یہ کہ واقفیت حاصل ہوجائے، بلکہ عملی طور پر معاشرے کی خدمت بھی انجام دے سکیں۔ ایسے ہلکے ٹریڈس کی بھی تعلیم دی جاسکتی ہے جنھیں پردہ نشیں خواتین دقت کے بغیر، آسانی سے انجام دے سکیں۔

(۶) تجربہ کار ماہر علماء اور عصری علوم کے ممتاز افراد کے تعاون سے ایسا جامع نصاب تیار کیا جائے، جس میں مذکورہ بالا امور کی رعایت کی گئی ہو۔ اور اس نصاب کو خواتین کے تعلیمی اداروں میں نافذ کیا جائے۔ نصاب کی تیاری کے سلسلے میں ہندوستان میں قائم تعلیم نسواں کے مرکزی اداروں کے نصاب تعلیم سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(۷) تعلیم نسواں کے لیے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کرنے ہوں گے۔ ان اداروں کی باگ ڈور قابل اعتماد، پرہیزگار اور باکردار شخصیتوں کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے۔

(۸) پردہ اور اسلامی ہدایات کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، تعلیم سے لے کر انتظامی شعبوں تک صرف اسلامی ذہن رکھنے والی خواتین کا انتخاب ضروری ہے۔ اگر باصلاحیت خواتین نہ مل سکیں تو پردہ اور دیگر امور کی مکمل رعایت کرتے ہوئے بدرجۂ مجبوری علماء سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

جب دینی تعلیم اور بہتر دینی وروحانی ماحول کے ذریعہ دل میں شریعت اور احکام الٰہی سے محبت پیدا ہوگی، تو پھر خود بخود خواتین پردے کا اہتمام کریں گی۔ اور آج کل کے حیاسوز وانسانیت کش اعمال، مناظر اور ذرائع سے نفرت کا جذبہ ان میں پیدا ہوجائے گا۔ اور معاشرے میں پھیل رہی برائیوں کا سدباب ہوسکے گا۔

خواتین اسلام کے مجاہدانہ کارنامے:

عام حالات میں جہاد عورت پر فرض نہیں ہے، لیکن جب دل میں دین کی محبت

موجزن ہو تو انسان دین کی سربلندی کے لیے مباح امور میں بھی اتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتا ہے؛ جو عام حالات میں فرائض میں بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس طرح دختران ملت نے علم و فضل کے اعلیٰ ترین بلند مراتب کو حاصل کیا ہے، اسی طرح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر میدان جہاد اور معرکۂ قتال میں قربانیوں اور جانفشانی کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کیے جو تاریخ کا درخشاں باب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان اور مال ومتاع کی قربانی دینے والی اور عیش وآرام اور نزاکت ولطافت کو تج دینے والی قوم کی عظیم بیٹیوں کی شجاعت وبہادری، صبر وثابت قدمی کے واقعات، عورت تو عورت، مردوں کو بھی ایمانی حرارت اور دین کے راستے میں کچھ کر گذرنے پر برانگیختہ کرنے اور غفلت کے شکار افراد کو جھنجھوڑنے کی قوی تاثیر رکھتے ہیں۔ ذیل میں خواتین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے حوالے سے بعض ایمان افروز واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ احد سے متعلق واقعات کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''جنگ کی پوزیشن اور مجاہدین اسلام بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال معلوم کرنے کے لیے میں دن کے ابتدائی حصہ میں میدان جنگ کی طرف چلی۔ میں نے مجاہدین کو پلانے کے لیے ایک مشکیزہ میں پانی بھی لے لیا تھا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی؛ تو اس وقت آپ صحابہؓ کے درمیان تھے۔ اور میدان جنگ پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو چکا تھا۔ لیکن جب بعض غلطیوں کی وجہ سے مسلمان شکست سے دوچار ہونے لگے۔ تو میں رسول اللہ کے بالکل قریب پہنچ کر عملی طور پر مشرکین سے قتال کرنے لگی اور تلوار لے کر دشمنوں کو حضورؐ سے دفع کرنے لگی۔ اور موقعہ ملنے پر حضورؐ کی طرف سے کمان لے کر تیر بھی چلانے لگتی۔ یہاں تک کہ میں بھی زخمی ہوگئی۔ راویہ کہتی ہیں کہ میں نے ام عمارہؓ کے کندھے پر ایک گہرا جوف نما زخم دیکھا؛ تو میں نے پوچھا کہ آپ کو کس نے زخمی کیا؟ کہنے لگیں ابن قمۂ نے۔ اللہ اس کو غارت کرے۔ واقعہ یہ

ہے کہ احد کے دن جب لوگ رسول اللہ کے پاس سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو ابن قمئہ خطرناک ارادے سے آپؐ کی طرف بڑھنے لگا تو میں، مصعب بن عمیرؓ اور آپ کے ساتھ کچھ اور ثابت قدم افراد اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ اس پر اس نے مجھ پر وار کر کے مجھے زخمی کر دیا۔ جواباً میں نے بھی اس پر کئی وار کیے۔ لیکن اللہ کا دشمن بچ گیا! اس لیے کہ اس کے بدن پر دو زرہیں تھیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۴/۴)

حضرت ام عمارہؓ نے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مسیلمۂ کذاب کے خلاف ہونے والی جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ ایک جنگ میں حصہ لے کر جب آپؓ لوٹیں تو آپ کے جسم پر دس زخم تھے۔ (صفوۃ الصفہ از ابن جوزی: ۳۴/۲) اسی جنگ میں ان کا ہاتھ شہید ہو گیا اور ان کے ایک فرزند حضرت خبیبؓ بھی شہید ہو گئے۔ (الاصابہ فی تمییز از ابن حجر: ۴۷۹/۴)

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی بہادر اور دلیر خاتون تھیں؛ ان کی دلیری کا اندازہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم عمری کے باوجود؛ جنگ اُحد میں زخمیوں کے پانی پلانے کی خدمت تندہی سے انجام دے رہی تھیں؛ اس سلسلے میں امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ پنڈلی کے پازیب تک کپڑے چڑھائے کندھوں پر مشک لاد لاد کر لا رہی تھیں اور قوم کے منہ میں پانی ڈال رہی تھیں۔ جب پانی ختم ہو جاتا تو پھر مشک بھر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتیں۔ (بخاری: ۴۰۳/۱)

۳۔ جیسا کہ ذکر آیا کہ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا بھی جنگ احد میں شریک تھیں، یہ بڑے عزم و حوصلہ والی خاتون تھیں، احد کے علاوہ اور بھی متعدد غزوات نبوی میں انھوں نے شرکت کی۔ امام مسلمؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ کرتے تو امّ سلیمؓ اور انصار کی خواتین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہوتیں۔ یہ خواتین لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ (مسلم شریف مع شرح نووی: ۱۸۸/۱۲)

انھوں نے جنگ حنین کے موقعہ پر بھی بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ امام مسلمؒ کی روایت ہے کہ جنگ حنین میں ام سلیمؓ اپنے پاس ایک خنجر رکھے ہوئی تھیں۔ (قابل ذکر ہے کہ ام سلیمؓ خنجر سازی کی صنعت میں مہارت رکھتی تھیں) حضرت ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ کو خنجر لیے دیکھا تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ دیکھیے! ام سلیمؓ کے پاس خنجر ہے! حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ خنجر کس لیے ہے ام سلیمؓ؟ تو انھوں نے کہا کہ میں اس خنجر کو اس لیے رکھے ہوئی ہوں کہ اگر کوئی مشرک مجھ سے قریب ہوا تو میں اس سے اُس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ (مسلم شریف مع شرح نووی: ۱۸۸/۱۲)

۴۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی بہادر خاتون تھیں۔ انھوں نے جنگ احد میں عملاً حصہ لیا۔ اس وقت مدینہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حضرت فاطمہؓ پست حوصلہ نہیں ہوئیں؛ بلکہ وہ میدان جنگ پہنچیں۔ اس وقت حضورؐ گھاٹی سے باہر نکل آئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد بزرگوار کے زخموں کو دھویا اور جب دیکھا کہ خون نہیں تھم رہا ہے تو کھجور کی چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھا۔ جس کے بعد خون بند ہو گیا (مسلم)

۵۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں بھرپور حصہ لیا انھوں نے جنگ احد کے موقع پر بعض شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ مدینے میں گھسنا چاہتے ہیں تو وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں۔ اور کہنے لگیں کہ یہ سوت کاتنے کا تکلہ لو اور ہمیں تلوار دے دو! (بخاری: ۴۰۳/۱) (''سوت کاتنے کا تکلہ لینا'' عرب کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہندوستانی پس منظر میں یہ ہے کہ: تم چوڑیاں پہنو اور مجھے ہتھیار دو۔)

انھوں نے غزوہ احد میں مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کے فرائض جاں فشانی سے سرانجام دیئے اور غزوہ خیبر میں بھی حصہ لیا۔

۶۔ حضور اکرمؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب بےنظیر جرأت و بہادری کی مالک تھیں۔ انھوں نے غزوہ خندق کے موقع پر ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کی غرض سے بچوں اور عورتوں کو احتیاطاً ایک قلعہ میں منتقل کروادیا تھا۔ اس قلعہ میں حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک یہودی مشتبہ حالت میں غلط مقاصد سے قلعہ کے گرد چکر لگا رہا ہے اور اس میں گھسنا چاہتا ہے، چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس اللہ کے دشمن کو ڈنڈے سے مار مار کر ٹھکانے لگا دیا۔ (زادالمعاد:۱۲۴/۴)

۷۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد خلفائے راشدین میں بھی خواتین جہاد میں شریک ہوتی رہیں۔ چنانچہ عبادہ بن صامتؓ کی اہلیہ ام حرام بنت ملحانؓ کو اللہ کے رسولؐ نے جہاد بحری میں شرکت کی خوشخبری سنائی تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ اور ایک قول کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب حضرت عبادہ بن صامتؓ بحری جہاد کو گئے تو حضرت ام حرامؓ بھی اس جہاد میں شریک ہوئیں اور شہادت سے سرفراز ہوئیں ان کی قبر قبرص کے جزیرے میں ہے۔ (صحیح بخاری، ۴۰۳/۱، الاکمال فی اسماء الرجال)

۸۔ ام حکیم بنت الحارثؓ وہ جواں ہمت خاتون تھیں جنھوں نے اپنے شوہر حضرت عکرمہؓ کے ساتھ غزوۂ روم میں شرکت کی۔ اس غزوہ میں ان کے شوہر حضرت عکرمہؓ شہید ہوگئے تو ان سے خالد بن سعید بن العاصؒ نے شادی کرلی۔ انھوں نے بھی رومیوں سے جنگ کی۔ ایک جنگ میں حضرت خالدؒ بھی شہید ہوگئے۔ جب ام حکیمؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے آپ کو نہ روک سکیں۔ اپنے کپڑے کو جسم پر باندھ کر رومیوں سے جنگ کرنے لگیں اور خیمے کے آہنی ستون سے مار مار کر سات رومیوں کو ڈھیر کردیا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر:۴۳۴/۴)

۹۔ ام کثیر زوجۂ ہمام بن الحارث نخعیؒ کہتی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں، میں اپنے شوہر کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں

جنگ قادسیہ میں شریک ہوئی جنگ کے اختتام پر ہم نے اپنے کپڑوں کو باندھا اور موٹا ڈنڈا لے کر مقتولین کے درمیان چلی گئی تو مقتولین میں سے جو مسلمان ہوتے اور ان میں کچھ رمق باقی ہوتی تو ہم انھیں پانی پلاتے اور اٹھالاتے اور اگر کوئی کافر زندہ مل جاتا تو ہم اس کا کام تمام کردیتے۔ (البدایہ والنہایہ از ابن کثیر:۳۶/۷)

اور کچھ یہیں تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ بعد کے زمانے میں بھی ایسی باحوصلہ بہادر خواتین پیدا ہوتی رہی ہیں جنھوں نے اپنے عزم سے اپنے مردوں پر اثر انداز ہوکر حالات کے رخ کو موڑ دیا ہے۔ خود ہندوستان کی تاریخ میں سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ (م:۱۲۴۰ء) مغل حکمراں جہانگیر کی بیوی نور جہاں، ملکہ اودھ، بیگم حضرت محل (م:۱۸۷۹ء) والدۂ مولانا محمد علی جوہر بی اماں جو ''ام الاحرار'' کے لقب سے مشہور ہوئیں اور مولانا کی شریک حیات امجدی بیگم (م:۱۹۴۶ء) کی قربانیوں کو تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ دخترانِ ملت کی روشن تاریخ اور تابناک ماضی آج کی خواتین کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے۔

عورت و مرد کے بعض حقوق کے مختلف ہونے کی وجہ:

اسلام نے خواتین کے لیے ترقی و کامیابی کے بلند سے بلند درجے تک پہونچنا جس طرح ممکن بنایا اور انھیں جیسے وسیع تمدنی و معاشی حقوق دیئے ہیں، عزت و شرف کے جو بلند مراتب عطا کیے ہیں اور ان حقوق و مراتب کی حفاظت کے لیے اپنی اخلاقی اور قانونی ہدایات میں جیسی پائدار ضمانتیں مہیا کی ہیں، ان کی نظیر دنیا کی کسی بھی قدیم و جدید نظام معاشرت میں نہیں ملتی۔

البتہ اسلام کی نظر میں مرد، مرد ہے اور عورت، عورت، زندگی کا نظام چلانے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، مرد اور عورت ایک دوسرے سے مل کر نظام انسانی کی تکمیل کرتے ہیں۔ دونوں صنفیں ایک دوسرے کا تکملہ و تتمہ (Complements) ہیں،

ایک دوسرے کا مثنیٰ (Duplicates) یعنی نقل نہیں، دونوں میں نا قابل عبور قسم کے حیاتیاتی فرق پائے جاتے ہیں۔ان امور کی رعایت کرتے ہوئے دونوں صنفوں میں جس حدتک مساوات قائم کی جاسکتی تھی، وہ اسلام نے قائم کردی؛ لیکن وہ اس مساوات کا قائل نہیں، جو قانون فطرت کے خلاف ہو اور خدا تعالیٰ کے تقاضۂ عدل کے معارض ہو، یا اس کی وجہ سے اس صنف نازک، جس کی نزاکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسولؐ نے اس کو ''قواریر'' یعنی آبگینہ اور شیشہ قرار دیکر اس کے ساتھ رفق اور نرمی کا حکم دیا۔لہذا جہاں جہاں حقوق کی بنیاد اور اختیارات کے منشاء میں یکسانیت ہوتی ہے، وہاں شریعت اسلامیہ، حقوق کے حوالے سے مرد اور عورت کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتی ہے۔اور جہاں جہاں منشاء حقوق مختلف ہوتے ہیں وہاں دونوں کے حقوق و اختیارات بھی مختلف ہوجاتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے اور اسی میں دونوں کے ساتھ انصاف بھی ہے۔

مثلاً شریعت اسلامیہ، واجبات ایمان لوازم عقائد اور عبادات: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی پر مرتب ہونے والے ثواب میں مرد وعورت کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتی ہے؛ اس لیے کہ عقائد واعمال کے مکلّف ہونے کی بنیاد عاقل و بالغ ہونے پر ہے۔اور یہ صفت مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہے۔اسی طرح جان و مال میں تصرف اور نکاح کا اختیار اور اشیاء کی ملکیت، دوسروں کو مالک بنانے اور دیگر مالی لین دین کا حق بھی اسے مردوں کی طرح حاصل ہے۔اس لیے کہ اس کی بنیاد شخصی آزادی پر ہے اور شخصی آزادی میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں۔

تعدد ازدواج کا حق:

لیکن تعدد ازدواج، یعنی ایک سے زیادہ شادی کرنے اور ایک وقت میں ایک

سے زیادہ بیوی رکھنے کا حق شریعت اسلامیہ چند شرطوں کے ساتھ صرف مردوں کو دیتی ہے، عورت کو نہیں، اس لیے اگر یہ حق عورتوں کو بھی دے دیا جاتا تو اس صورت میں سماج میں بدترین خرابیاں پیدا ہوتیں۔ پیدا ہونے والے بچوں کا نسب خلط ملط ہوجاتا۔ ناجائز اولاد کی کثرت ہوجاتی۔ جب کہ مرد کو یہ حق دینے میں مذکورہ خرابیاں لازم نہیں آتیں۔

پھر یہ کہ تعدد ازدواج کا حق مرد کو یوں ہی تفریحاً نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ حق ضرورت کی بنیاد پر ہے۔کیوں کہ ہر شخص برابر نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے بنسبت زیادہ قوی الشہوہ ہوتا ہے لہذا بعض اوقات مرد کے لیے ایک سے زیادہ عورت کی طلب ایک فطری تقاضا ہوتا ہے۔اگر اس تقاضے کو مہذب اور قانونی طور پر پورا نہیں کیا جائے تو اس صورت میں مرد چور دروازے سے گناہ میں مبتلا ہوکر بے راہ روی کا شکار ہوجائے گا اور معاشرے میں بدکاریاں عام ہوتی چلی جائیں گی۔ (جیسا کہ آج کل عملی طور پر مغربی ممالک کے اخلاق باختہ معاشرے میں ہورہا ہے) اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے کم رہی ہے۔اس لیے کہ جنگوں اور حادثوں میں عام طور پر مردوں کی جان کا اتلاف زیادہ ہوتا ہے۔اور ایک حدیث میں بھی اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے (بخاری ۲/۷۸۷) اگر مرد کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے تو بہت سی عورتیں غیر شادی شدہ رہ جائیں گی۔

اسی طرح ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات پہلی بیوی خطرناک مہلک بیماری میں مبتلا ہوجاتی ہے اور شوہر کے لیے اس سے صحبت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ یا اگر بیوی بانجھ ہو اور شوہر خاندان کی بقاء کے لیے اولاد کی شدید خواہش رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں دوسری عورت سے شادی کرنا ایک واقعی ضرورت بن جاتی ہے اور اس ضرورت کی تکمیل ہی میں انسانیت اور معاشرے کی بھلائی ہے۔اسلام نے اس فطری اور واقعی ضرورت کی تکمیل کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کے لیے مرد پر سخت شرطیں بھی عائد کردیں کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور شوہر پر لازم قرار دیا کہ وہ دونوں بیویوں

کے تمام واجب حقوق ادا کرے۔ اور ان کے درمیان خوراک و پوشاک اور شب گذاری میں برابری کرے، ورنہ پھر وہ ایک بیوی پر اکتفا کرے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے ''فواحدۃ'' سے اشارہ کیا ہے۔ **فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ** (النساء۳) تو اگر تمہیں خوف ہو کہ تم بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر پاؤ گے تو صرف ایک پر اکتفا کرو۔

بچوں کی پرورش کا حق:

کبھی مرد و عورت کے احکام اس لیے مختلف ہوتے ہیں کہ عورتیں اس ذمہ داری کو مردوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً: حضانت یعنی بچوں کی پرورش و پرداخت کا حق اسلام نے صرف عورتوں کو دیا ہے۔ مردوں کو نہیں؛ اس لیے کہ بچوں کی پرورش کے لیے جو صلاحیتیں درکار ہیں؛ وہ عورتوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ جب کہ مردوں میں ناقص ہوتی ہیں۔ وہ صحیح طور پر بچوں کی پرورش نہیں کرسکتا ہے۔

تنہا سفر کرنے کا حق:

بعض اوقات مرد اور عورت کے احکام میں اس وجہ سے فرق ہوتا ہے کہ اگر دونوں میں مساوات کردی جائے تو مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں اور عورت کی بے عزتی و بے حرمتی یا دوسرے نقصانات کا خطرہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ عورت کے لیے تنہا بغیر محرم کے حج کرنے یا اڑتالیس میل سے زیادہ کا سفر کرنے، (ترمذی ۱/۲۲۰) غیر محرموں کے ساتھ آزادانہ میل و جول رکھنے اور مخلوط مجالس و محافل میں شرکت کی از روئے شریعت اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ صورتوں میں اگرچہ بعض فوائد بھی محتمل ہیں؛ لیکن نقصان کا خطرہ زیادہ ہے۔ اور شرعی قاعدہ ہے: ''**دفع المضرّۃ اولیٰ من جلب المنفعۃ**'' یعنی مضرت کی چیزوں کو دور کرنا منفعت کو حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

طلاق کا حق:

طلاق دینے کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے، عورتوں کو نہیں دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کے نتیجے میں سراسر مادی و مالی نقصان مرد ہی کا ہوتا ہے کہ اسے مہر کی صورت میں ایک خطیر رقم کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے، عدت خرچ دینا پڑتا ہے، اگر اس عورت کے زیر پرورش بچے بھی ہوں؛ تو اگر لڑکا ہو تو سات سال کی عمر تک اور اگر لڑکی ہو تو بالغہ ہونے تک، پرورش و پرداخت کا حق تو ماں کا ہوتا ہے؛ البتہ بچہ اور اس کی ماں کے تمام تر اخراجات بھی باپ کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ (ردالمحتار باب الحضانہ) جب کہ عورت کے لیے مالی مدد کی متعدد شکلیں نکل آتی ہیں۔ لہذا اگر عورت کو طلاق کا حق دیا جاتا تو بہت سارے فتنے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس لیے کہ وہ بسا اوقات اپنی مالی منفعت اور مادّی فائدے کے حصول کی خاطر ایک شوہر کو طلاق دے کر دوسرے مرد سے شادی کرلیتی اور پھر اس سے مادی اغراض حاصل کرکے اسے بھی طلاق دے دیتی۔ اس طرح وہ طلاق دینے کو ایک طرح کی تجارت اور پیشہ بنا سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرتی نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا اور اس کے تار و پود منتشر ہوجاتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ عورت کو مجبور محض بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ اگر واقعتاً شوہر سے اسے جائز شکایت ہو اور وہ اس سے جدائی کی خواہاں ہو تو اس کے لیے اسلام نے اسے خلع کرنے اور نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مرد کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے، وہ بھی علی الاطلاق نہیں؛ بلکہ مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد آخری چارۂ کار کے طور پر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی کی کسی غلطی کی وجہ سے زوجین کے درمیان کچھ تناؤ پیدا ہوجائے تو قرآن کریم نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ بیوی کو سب سے پہلے سمجھایا جائے، پند و موعظت سے کام لیا جائے، اگر بیوی اس کے باوجود نافرمانی پر کمربستہ ہو تو چند دنوں بستر الگ کرلیا جائے، تاکہ اسے اپنی کوتاہی کا

احساس ہو، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور عورت میں اصلاح کے آثار نمایاں نہ ہوں تو معمولی سرزنش کی بھی اجازت دی گئی ہے، اگر مذکورہ تمام مراحل سے گذرنے کے باوجود تعلقات میں سدھار نہ آئے تو سماج کے سمجھ دار لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ بیچ میں پڑ کر صلح کرانے کی کوشش کریں، اگر مذکورہ تمام کوششوں کے باوصف باہمی اختلاف دور نہ ہو سکے اور نباہ کے آثار نظر نہ آئیں تو اس آخری مرحلہ میں اسلام نے مرد کو طلاق کی اجازت دی ہے، معلوم ہوا کہ طلاق ایک ناخوش گوار ضرورت ہے اسی لیے طلاق کو ''**ابغض الحلال**'' یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

ترکہ میں عورت کا حق:

وراثت کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب، قوم اور ملک نے عورت کو ترکہ کا مستحق نہیں قرار دیا ہے۔ عورتوں کی وراثت کے حوالے سے عربوں کی حالت کچھ زیادہ ہی ابتر تھی۔ ان کے ہاں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا اصول کارفرما تھا کمزوروں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، غریبوں اور یتیموں کو قریب نہیں پھٹکنے دیا جاتا، ان کا کہنا تھا ''**کیف نعطی المال من لا یرکب فرسا ولا یحمل سیفا ولا یقاتل عدوا**'' (المواریث، ص:۱۲) یعنی میراث کے مستحق وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں جو نہ گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں؛ نہ تلوار اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ظالمانہ قانون کا خاتمہ کیا اور اس نے بالکل مرد ہی کی طرح عورت کو بھی ترکہ کا مستحق قرار دیا ہے؛ بلکہ مردوں کے بالمقابل عورتوں کو ایک گونہ فوقیت حاصل ہے کہ عورت عام طور پر وراثت سے محروم نہیں ہوتی ہے، تاہم اسلام نے بعض ضروری مصالح کی بناء پر مرد اور عورت کو ملنے والے حصے میں فرق کیا ہے۔ کہ عورت کو زیادہ تر صورتوں میں مرد سے آدھا حصہ ملتا ہے اور مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''**للذکر مثل حظّ الأنثیین**'' اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے عورت پر کوئی خرچ، یہاں تک کہ اپنا خرچ بھی لازم نہیں ہے؛ بلکہ شادی سے پہلے اس کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر اور شادی کے بعد اس کے شوہر کے ذمہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے جتنا کچھ بھی مل رہا ہے، وہ محض اس کی دل جوئی اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ اس کے برعکس مردوں پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ نہ صرف یہ کہ اپنے معاش کے سلسلے میں خود کفیل ہوتا ہے؛ بلکہ رشتہ داروں، بال بچوں کے طعام، کپڑے، ادویات تعلیم وغیرہ کا خرچ اور دیگر لازمی اخراجات کا بار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ بیوی کے مہر کی ادائیگی پر بھی ایک خطیر رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔ اپنی لڑکیوں کی شادی کرنا بھی اسی کے فرائض میں شامل ہے۔ تو ہر چند کہ مرد کو ترکہ میں سے دوگنا حصہ ملتا ہے؛ لیکن اس لازمی اخراجات کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور عورت کو اگر چہ مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے؛ لیکن چوں کہ واجبی اخراجات کے لیے اس کے پاس کوئی مصرف نہیں ہے۔ اس لیے وہ نصف بھی اس کے لیے بہت زیادہ ہے۔ اس مصلحت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الرِّجال قوّامونَ علی النساء بما فضّلَ اللّٰہ بعضَھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم** (النساء، ۳۴) مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد (عورتوں کی حاجت پر) اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے نظام وراثت میں عورت اور مرد کے مابین جو فرق ہے؛ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے عین مطابق ہے۔

عورت کے لیے پردہ کا حکم کیوں؟

اسلام ایک ایسے عفت مآب پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، جس میں عورت کی عفت وعصمت محفوظ ہو، اس کی پاک دامنی اور دوشیزگی کو سلامتی حاصل ہو، اس

کی معصومیت پر کوئی غلط نگاہ نہ ڈالے، اس کی فطری خوبصورتی کو کوئی شہوت پرست، بیہودگی کے ساتھ نہ گھورے اور اسے ہوسناک نگاہوں کا شکار نہ بنائے۔ اسلام ایک ایسی سوسائٹی دیکھنا چاہتا ہے، جس میں پاکیزہ خیالی اور نیک نیتی کا چلن ہو، صنفی انتشار، لامرکزی ہیجانات اور فحاشی وآوارگی کا رجحان نہ ہو۔ جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں کبھی زنا کاری اور بدکاری کے واقعات قطعاً پیش نہ آئیں؛ اس لیے کہ فواحش و زناکاری ایسی مہلک بیماری ہے؛ جس کے خطرناک اثرات صرف اشخاص وافراد ہی تک محدود نہیں رہتے؛ بلکہ پورے پورے خاندان اور قبیلہ کو اور بعض اوقات بڑی بڑی آبادی کو تباہ کردیتے ہیں۔

تو جس طرح دیگر معاملات میں اسلام کا یہ اصول ہے کہ اس نے جن چیزوں کو بھی انسانیت کے لیے مضر اور نقصان دہ قرار دے کر قابل سزا جرم قرار دیا تو صرف اسی پر نہیں؛ بلکہ ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کردی۔ اسی طرح شریعت نے زنا اور بدکاری کے انسداد کلی اور اس کے مکمل روک تھام کے لیے اس کے مبادیات پر بھی پابندی عائد کردی۔ اور اس مقصد کے لیے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو چند لازمی ہدایات دی گئیں:

مردوں کو غض بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے اور پاکیزہ خیالی کا حکم دیا گیا اور بدنظری کو آنکھ کا زنا قرار دیا گیا؛ **قال رسول اللہ ﷺ: زنا العینین النظر**۔ (ابوداؤد:۱/۲۲۹)

اسی طرح عورتوں کو بھی نظریں بچانے، خیالات پاکیزہ رکھنے اور اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا۔ **قل للمومنین یغضوا من أبصارهم و یحفظوا فروجهم ذلک ازکی لهم ان اللّٰه خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن و یحفظن فروجهن** (النور:۳۱) اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں۔

مرد وعورت کے بے محابا اختلاط اور میل جول کو ممنوع قرار دے کر عورتوں کو بنیادی طور پر گھر کی چہار دیواری میں رہنے کی ہدایت کی گئی۔ اور زمانۂ جاہلیت کی طرح حسن وجمال کی آرائش اور زیب وزینت کے اظہار کو ممنوع قرار دیا گیا۔ **وقَرنَ فی بُیوتِکُنَّ ولا تبرَّجنَ تَبَرُّجَ الجاهلیةِ الأولیٰ** (الأحزاب:۳۳) تم اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھی رہو۔ اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق بناؤ سنگار دکھلاتی نہ پھرو۔

عورتوں کے لیے جھنکار اور آواز والے زیورات کے استعمال، بھڑک دار لباس اور خوشبو کے استعمال اور مخفی زیب وزینت کے اظہار کو ممنوع قرار دے دیا گیا:

ولا یضربن بارجلهن لیبدین ما یخفین من زینتهن (النور:۳۱) اور اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہوجائے۔

بوقت ضرورت خواتین کو گھر سے نکل کر ضرورت کی تکمیل کے لیے باہر جانے کی اجازت دی گئی؛ لیکن اس کو اس شرط کے ساتھ مشروط کردیا گیا کہ نکلنا بے محابا نہ ہو؛ بلکہ نکلتے وقت پوری طرح باپردہ ہوکر نکلیں؛ برقع یا لمبی چادر سے پورے بدن کو چھپالیں۔

یایها النبی قل لازواجک و بناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن، ذٰلک ادنیٰ ان یُعرفن فلایوذین. (الأحزاب: ۵۹)

اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور انہیں ستایا نہیں جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے ''جلباب'' یعنی لمبی چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور راستہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھ کھلی رکھیں''۔ (تفسیر ابن کثیر)

پردے کے سلسلے میں اس قدر تاکیدی احکامات اس لیے دیے گئے ہیں کہ خواتین کی صنف پوری طرح ''عورت'' یعنی پردے کی چیز ہے؛ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان** (ترمذی:۲۲۲/۱) کہ عورت سراپا پوشیدہ رہنے کی چیز ہے۔ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان نما انسان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی فتنہ سامانیوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلاضرورت گھر سے نکلیں ہی نہیں۔ اور اگر ضرورت کے تحت نکلنا ہی پڑے تو پوری طرح پردے میں لپٹ کر نکلیں۔

پردہ خواتین کی عفت وعصمت کا محافظ:

حیا کسی بھی سلیم الفطرت عورت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اور اس سرمایہ کا سب سے بڑا محافظ پردہ ہے۔ عورت کی حیا وشرم طبعی کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنوں کے سوا غیر مردوں سے پردے میں رہے۔ نہ وہ کسی اجنبی کو دیکھے، نہ کوئی اجنبی اس کو دیکھے۔ بے حیائی، بے پردگی، عریانیت خواتین کی نسوانیت کو مجروح اور اس کی فطرت کو مسخ کرنے والی چیز اور فتنہ و فساد کی داعی ہے۔ بے پردگی اور حیا کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور کوئی باغیرت خاتون کبھی بھی بے پردگی کو برداشت نہیں کرسکتی۔

چنانچہ ابوداؤد میں ام خلاؓ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ منقول ہے کہ ان کا بیٹا حضور ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں گیا ہوا تھا۔ جنگ کے بعد جب ان کا بیٹا واپس نہیں آیا تو بے تابی کے عالم میں وہ حضورؐ کی خدمت میں اس حال میں پہنچیں کہ وہ چہرے پر نقاب

ڈالے ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر دریافت کیا یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ تمہارا بیٹا تو اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا۔ یہ اطلاع ان پر بجلی بن کر گری۔ تاہم انہوں نے مثالی صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔ اسی حالت میں کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ تم اتنی پریشانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کر آئی ہو، پھر بھی تم اپنے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی ہو۔ اس ہنگامی موقع پر بھی تم نقاب ڈالنا نہ بھولیں۔ جواب میں امّ خلاؓ نے کہا: **ان ازرأ ابني فلن أزرأ حيائي** یعنی میرا بیٹا تو فوت ہوگیا ہے لیکن میری حیا کا ابھی جنازہ نہیں نکلا ہے کہ میں بے پردہ یہاں آجاتی۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد، ۳۳۷)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے صحابہ سے سوال کیا کہ بتلاؤ کہ عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ صحابہ کرامؓ خاموش رہے۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ پھر جب میں گھر گیا اور حضرت فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: **لا يرين الرجال ولا يرونهن** کہ عورت کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں، نہ مرد ان کو دیکھیں۔ میں نے ان کا جواب رسول اللہ سے نقل کیا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہؓ میری لخت جگر ہیں، اس لیے وہ خوب سمجھیں۔ (مسند بزار، دارقطنی) معلوم ہوا کہ جنتی عورتوں کی سردار کی نگاہ میں عورتوں کے لیے سب سے بہتر چیز پردہ ہے۔

صحابیات کا یہ حال تھا کہ زندگی تو زندگی، شدت حیا کی بنیاد پر مردوں سے ان کی موت کے بعد بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جس حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اس کمرہ میں میں جب داخل ہوتی تو میں پوری طرح پردہ نہیں کرتی تھی۔ میرا یہ خیال تھا کہ اس حجرے میں میرے شوہرؐ اور میرے والد ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور مدفون نہیں ہے۔ اور ان دونوں سے پردہ نہیں ہے؛ لیکن جب ان کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی دفن کردیئے گئے تو بخدا اس کے بعد میں جب بھی حجرۂ مبارکہ میں جاتی تو

حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے پوری طرح باپردہ ہوکر جاتی تھی۔(مسند احمد بن حنبل)

معلوم ہوا کہ پردہ وجہ حبس وقید نہیں، بلکہ شرم حیا کا آئینہ دار اور عزت وعصمت اور نزاکت ولطافت کا محافظ ہے۔اور کسی بھی شریف خاتون کے لیے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ لیکن جب کسی سے حیا کا مادہ ختم ہوجائے؛ تو لازمی طور پر وہ پردہ کو بوجھ سمجھے گی۔اور بے پردگی کو آزادی خیال کرے گی۔ اور آزادی کے زعم کے تحت وہ سب کچھ کرے گی جس سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے۔حقیقت ہے:**اذا فاتک الحیاء فاصنع ماشأت.**

بے حیا باش! ہر چہ خواہی کن! اور یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ بے پردگی اور بے حیائی کے نتیجے میں پوری دنیا، بالخصوص یورپ وامریکہ میں فحاشی وبدکرداری کا ایسا مکروہ ترین سیلاب آیا ہوا ہے اور جنسی بے راہ روی اور اخلاق باختگی کا ایسا طوفان آیا ہوا ہے؛ جسے دیکھ کر شیطان شرما جائے!

تقسیم کار کا اصول:

کبھی مرد اور عورت کے درمیان فرق اس لیے ہوتا ہے کہ معاشرتی زندگی اور سماجی میدانوں میں شریعت مطہرہ نے مرد اور عورت کے درمیان ایک متوازن تقسیم رکھی ہے، مرد وعورت کے معاشرتی مقام کے حوالے سے اسلام کی بیشتر تعلیمات تقسیم عمل کے اصول پر دائر ہیں۔لیکن یہ تقسیم ایک صنف کی کمتری اور دوسری صنف کی برتری کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ تقسیم عمل کے اعتبار سے ہے۔جس میں گھر سنبھالنے کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت کے سپرد ہے، اسی کو گھر کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ارشاد نبویؐ ہے:

المرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة (بخاری:۲/۷۷۹)عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہی اپنے عمل کے لیے جوابدہ ہے، اسی لیے اس کو ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کردیا گیا ہے، جن کا تعلق بیرون خانہ سے ہے یا اس کے لیے فعال صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔مثلاً: اس پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور مسجدوں میں حاضر

ہونا لازم نہیں۔(بدائع الصنائع۔۱/۳۸۸)

اس پر جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی واجب نہیں، اس پر جہاد بھی فرض نہیں۔(ردالمحتار:ص۳۱۰ج۱،طحطاوی ص۱۶۶)البتہ اگر وہ چاہیں تو مرد معالجین کی عدم موجودگی میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے، پانی پلانے، کھانا کھلانے اور پکانے، خیمہ اور سامان وغیرہ کی حفاظت اور دوسرے لازمی مقاصد کے لیے میدان جنگ میں شریک ہوسکتی ہیں۔جیسا کہ متعدد صحابیات (مثلاً حضرت صفیہؓ حضرت فاطمہؓ، حضرت نسیبہ بنت کعبؓ، امام عمارہؓ وغیرہ) ایک سے زائد غزوات نبوی میں شریک ہوکر مجاہدین اسلام کی اہم اور لازمی خدمات انجام دیتی رہی ہیں۔اس کے لیے جنازوں میں شرکت بھی ضروری نہیں۔(مسلم:۱/۲۲۲،بدائع الصنائع:۲/۴۵)

اس کے برخلاف کسب مال، دفاع اور خارجی اسباب حیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے سپرد ہے، چنانچہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "**الرجل راع على أهله و هو مسئول**" (بخاری کتاب النکاح:۲/۷۷۹) مرد اپنی بیوی اور بچوں کا حکمراں ہے اور اپنے عمل کا وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

تقسیم کار کی مصلحتیں:

یہ تقسیم نہ صرف اس لیے درست ہے کہ حیاتیاتی اور عضویاتی اعتبار سے دونوں صنفوں میں واضح فرق ہے۔ بلکہ اس لیے بھی کہ اس میں بے شمار اجتماعی اور معاشرتی فائدے ہیں، مثلاً یہ کہ اس تقسیم کے ذریعہ دونوں کو ایسے قابل اعتماد ساتھی مل جاتے ہیں، جو ایک دوسرے کے لئے مشیر بن سکیں، زندگی کے مختلف مراحل میں ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی ومسرت میں شریک ہوسکیں، دونوں ایک دوسرے کے راز دار اور شریک رنج و مسرت بن سکیں، ان کے درمیان محبت اور انس کا تعلق ہو، ان کے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو، جیسے لباس اور جسم میں ہوتی ہے اور یہ تعلق اس آیت کی تصویر ہو "**هن**

لِبَاس لکُم و أنتم لباس لَهن" (البقرہ:۱۰۷) وہ تمہارے لیے بہ منزل لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ عورت مرد کے لیے سرمایۂ سکون وراحت ہو اور وہ مرد کے لیے جدوجہد اور ہنگامۂ عمل کی مشقتوں سے بھری اس دنیا میں فرحت ومسرت اور آرام واطمینان کا ایک گوشہ مہیا کرسکے، جس کی طرف ذیل کی آیت میں لطیف اشارہ موجود ہے: وَمِنْ آیاتِه أنْ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَا جاً لِتَسْکُنُوا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ موَدَّةً و رَحْمَةً انّ فِیْ ذٰلِک لایات لِقَوم یَّتَفَکَّرُوْن (الروم،۲۱) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم میں سے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو اور تمہارے درمیان محبت اور الفت قائم فرمایا: یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے، جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں بھی اشارہ موجود ہے: **فاذا رأی احدکم امرأۃ فأعجبته فليأت أهلها فان معها مثل الذى معها** (ترمذی کتاب النکاح ۲۱۹/۱) جب تم میں سے کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو دیکھے اور وہ اسے بھا جائے، تو وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اپنی بیوی کے پاس آئے، اس لیے کہ اس کے پاس بھی وہی ہے جو اجنبیہ کے پاس ہے۔

فطرت کا قانون:

جس طرح کائنات کوئی ایک چیز نہیں، بلکہ بہت سی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، جس کی ہر چیز متحرک ہے، ایٹم (ذرہ) سے لیکر شمسی نظام یا کہکشاں تک کوئی چیز بھی ساکن (رکی ہوئی) نہیں، ان متحرک اجزاء کو ان کی صحیح کارکردگی پر اسی وقت باقی رکھا جاسکتا ہے، جب کہ ہر ایک کے عمل کی ایک حد ہو۔ اور مختلف چیزوں کے درمیان صحیح ترین توازن قائم رکھا گیا ہو۔

اس لیے خدائے تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں تخلیقی عمل کے دوران تمام چیزوں میں باقاعدہ توازن قائم کردیا، اس توازن کا دوسرا نام قانون فطرت ہے۔ اسی طرح انسانی دنیا بھی بہت سے افراد کا مجموعہ ہے۔ یہاں بھی ہر فرد متحرک ہے۔ ایسی حالت میں ناگزیر تھا کہ ہر ایک کے عمل کی ایک حد مقرر کردی جائے اور انکے درمیان ایسا توازن قائم کردیا جائے؛ جو اس بات کی ضمانت ہو، کہ ہر فرد دوسروں کے لیے مسئلہ بنے بغیر، اپنے عمل کی تکمیل کرے گا اور بلا کسی ٹکراؤ کے اپنے سفر پیہم میں مشغول رہے گا۔

یہی وہ قانون توازن ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کو بتایا گیا، خدا کے اسی قانونِ توازن (عدل) سے انحراف کا نام بگاڑ اور فساد ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها**" یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنے اصلاحی قوانین کے ذریعہ جو توازن اور اصلاح قائم کر رکھا ہے، اس میں فرق پیدا کرکے زمین میں فساد پیدا نہ کرو۔

فطری حقیقتوں کی رعایت:

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کے تمام احکام بھی فطری حقیقتوں پر مبنی ہیں، اس لیے دنیا کی دیگر چیزوں کی طرح مرد اور عورت کے تعلقات بھی اسلام میں اسی قانون فطرت پر دائر ہیں، یعنی مرد اور عورت کا باہمی تعلق خدائی قانون میں تقسیم کار کے اصول پر رکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرد باہر کا کام کرے اور عورت گھر کا کام سنبھالے، ارشاد خداوندی ہے "**الرجال قوامون على النساء**" (النساء:۳۴) یعنی گھر کے نظام میں وہ تمام چیزیں جن کے لیے فعال صلاحیتیں درکار ہیں، ان سب کی ذمہ داری اور نگرانی مرد کے سپرد ہے مثلاً، کمانا، دفاع کرنا، بیرونی معاملات کا انتظام کرنا، سرگرم سیاست میں حصہ لینا، حکومت چلانا وغیرہ، کیونکہ مرد ان کاموں کے لیے فطری طور پر زیادہ موزوں ہے، اس لیے

اسے خاندان کا حاکم اور محافظ بنایا گیا۔ مزید یہ کہ مرد عورت کے مقابلہ میں بالعموم زیادہ جری، بہادر، معاملہ فہم اور سنجیدہ ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل خواتین جذباتی اور بعض دوسری کمزوریوں سے دوچار ہوتی رہتی ہیں، اس کے پیش نظر اسلام نے امامت کبری اور امارت یعنی ملت کی اعلی قیادت و رہنمائی کی ذمہ داری بھی مردوں پر عائد کی۔ اور عورتوں کو امامت کبری کا اہل نہیں سمجھا۔ اسی کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: **لن یفلح قوم و لوّا امرھم امرأۃ** (بخاری کتاب المغازی، ۲/۶۳۷) کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، جس نے اپنی زمام اقتدار کسی عورت کے حوالہ کردی۔ اس کے برعکس گھر کے اندرونی نظام کو سنبھالنے کا جو کام ہے، اس کے لیے منفعل (اثر قبول کرنے کی) صلاحیتیں درکار ہیں اور یہ صلاحیتیں عورت کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، اس لیے اس کو گھر کے اندرونی کام کا ذمہ دار بنایا گیا۔ چنانچہ اس خدائی تقسیم میں بنیادی طور پر مرد کو فاعل (کرنے والا) اور قوام (نگراں) اور عورت کو منفعل (قبول کرنے والی) قرار دیا گیا ہے۔ دونوں اس کارخانۂ عالم کو چلانے کے لیے ضروری ہیں، دونوں کا وجود اس کارگاہ میں یکساں اہمیت رکھتا ہے، نہ مرد کی حیثیت فعلی میں کوئی عزت و کرامت ہے، نہ عورت کی حیثیت اثر پزیری میں کوئی ذلت و کمزوری، عورت کا کمال یہی ہے کہ صفات اثر پزیری اس کے اندر بدرجۂ اتم پائی جائیں، جب کہ مرد کا کمال یہی ہے کہ قوت فعل و عمل اس میں زیادہ پائی جائے۔ تاہم چونکہ فعل (کرنا) اپنی ذات میں قبول و انفعال پر بہرحال ایک طرح کی فضیلت و برتری رکھتا ہے، اس لیے کہ فعل میں غلبہ، قوت اور اثر کے معنی پائے جاتے ہیں اور منفعل (قبول کرنے والے) میں مغلوبیت اور کمزوری پائی جاتی ہے، لہذا مرد فاعل کی طبیعت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس میں غلبہ، شدت اور تحکم ہو، کیوں کہ کام کرنے والے ہونے اور فعلی پرزے کی حیثیت سے اپنی خدمت انجام دینے اور ذمہ داریوں کو بجالانے کے لیے اس کا ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اسے قوام، نگراں اور نگہبان بنایا گیا۔ اس کے برخلاف (اثر قبول کرنے

والی) عورت کی فطرت کا یہی تقاضہ ہے کہ اس میں نرمی، نزاکت اور لطافت و ملائمیت ہو، کیونکہ یہی صفات اس کو کامیاب بنا سکتی ہیں۔

اس فطری تفاوت کی وجہ سے اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان امکانی حد تک مساوات قائم کرنے کے باوجود فاعل ہونے کی حیثیت سے، ذاتی فضیلت جو مرد کے لیے ضروری تھی وہ اس نے پورے عدل و انصاف کے ساتھ مرد کو عطا کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ** (البقرہ:۲۲۸)

(اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے)

ساتھ ہی اسلام نے اس امر کو بطور خاص ملحوظ رکھا کہ مرد کو جو حاکمانہ اختیارات محض خاندان کے نظم کے لیے اس کی فطری قوتوں کی وجہ سے دیئے گئے ہیں، ان سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ عورت پر ظلم نہ کرسکے، اسی لیے مرد کو ان اختیارات کے استعمال کرنے میں نرم روی، حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت کی گئی ہے۔

ارشاد باری ہے: **وعاشروھن بالمعروف** (النساء:۱۹)

ترجمہ: اور عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے زندگی بسر کیا کرو۔

نیز حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں عورتوں کے سلسلے میں بطور خاص فرمایا: **أَلا استو صوا بالنساء خیراً** (ترمذی، ۱/۲۲۰) کہ آگاہ! عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو۔

فطرت سے انحراف کا انجام:

خدائے تعالیٰ نے جس طرح اس دنیا کی مادی چیزوں کو خاص فطرت پر پیدا کیا

ہے اور اسی فطرت پر قائم رہ کر کوئی چیز اپنا صحیح کام انجام دے پاتی ہے، یہی حال انسان کا ہے، خدا نے اس کی دونوں صنف: یعنی مرد کو ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور عورت کو ایک خاص فطرت پر، انسانیت کو مرد اور عورت کی صنفی تقسیم کے ساتھ پیدا کرنا براہ راست خالق کی منصوبہ بندی ہے، اس بامقصد تقسیم کو باقی رکھنے ہی میں انسانی زندگی کی ترقی ہے اور اسی میں انسانیت کی فوز وفلاح مضمر ہے۔ دونوں اسی وقت اپنی زندگی صحیح طور پر گذار سکتے ہیں؛ جب کہ وہ فطرت پر قائم رہیں، دونوں صنفوں میں سے جو کوئی بھی اس تقسیم کو توڑنے کی کوشش کرے، وہ گویا نظام فطرت الٰہی کو توڑتا ہے اور نظام فطرت کو توڑنا صرف اور صرف تخریب اور بگاڑ پیدا کرنا ہے، وہ کسی درجہ میں بھی تعمیر کا کام نہیں ہوسکتا، اسی لیے فطرت کے مسخ کرنے والوں پر اللہ کے رسولؐ نے لعنت بھیجی ہے۔

لعن رسول اللّٰہ ﷺ المشبھاتِ بالرجال من النساء والمتشبھین بالنساء من الرجال (ترمذی ص۱۰۲ ج۲)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے، جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اسلام اس کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ مرد عورت میں سے کوئی اپنے کو کم تر سمجھے اور اپنی فطرت سے منحرف ہوکر دوسرے کی نقل کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفوں کو اپنی اپنی جگہ کامل ومکمل بنایا ہے۔ لہٰذا عورت جس قدر بھی ترقی کرے اور اپنی ترقی وکامیابی کے جو منازل بھی طے کرے وہ سب عورت ہونے کی حیثیت سے ہو۔ مرد بننا نہ تو اس کا حق ہے، مردانہ زندگی کے لیے اسے تیار کرنا تمدن و معاشرہ کے لیے مفید ہے اور نہ ہی مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ اور مرد بھی جس قدر بلند مراتب حاصل کرے وہ مرد ہونے کی حیثیت سے ہو، عورت بننا اس کے لیے

سراسر کم عقلی اور پاگل پن کی بات ہے۔ اور اگر دونوں میں سے کسی نے فطرت سے منحرف ہونے کی کوشش کی؛ تو فطرت سے ہٹتے ہی زندگی کے نقشے میں اپنا مقام کھودیں گے۔ جیسا کہ یورپ اور امریکہ کے ممالک میں اس کا عام مشاہدہ ہے کہ فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں وہاں کا خاندانی اور معاشرتی نظام ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا ہے۔ اور وہاں کی مردوں کی نقالی کرنے والی خواتین اپنی نسوانیت نزاکت ولطافت گنوا کر محض ایک مشینی پرزہ بن کر رہ گئی ہیں۔ ازدواجی رشتہ خودغرضی پر مبنی اور محبت سے عاری رشتہ بن گیا ہے، مرد وعورت میاں بیوی نہیں؛ بلکہ حدیث کے الفاظ میں ''ذوّاقین'' اور ''ذواقات'' بنتے جارہے ہیں نکاح کی شرح گھٹتی جارہی ہے اور طلاق کی شرح بڑھتی جارہی ہے، جنسی بے قیدی کی بنا پر طرح طرح کی مہلک بیماریاں پیدا ہورہی ہیں اور اخلاقی دیوالیہ پن کے نتیجہ میں بے حیائی وفحاشی کے ایسے مناظر سامنے آرہے ہیں جنھیں دیکھ کر شیطان کا بھی سر شرم سے جھک جائے!!

جدید دنیا کا اعتراف:

آزادئ نسواں کی پرزور تحریک اور عورتوں کو تمام شعبہائے زندگی میں مردوں کے برابر لا کھڑا کرنے کے بلند وبانگ دعووں کے باوجود، موجودہ زمانے میں خالص علمی سطح پر یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں۔ نفسیات، حیاتیات اور عضویات میں موجودہ زمانے میں ماہرین کی جو تحقیقات ہوئی ہیں۔ وہ ثابت کرتی ہیں کہ مرد کے مقابلہ میں عورتیں فطری طور پر منفعل مزاج، اعصابی طور پر نازک اور عجلت پسند واقع ہوئی ہیں۔ کیوں کہ مرد وعورت کے ہارمون (Harmone) جدا جدا ہوتے ہیں اور وہی دونوں کے مزاج اور خصوصیات کے درمیان فرق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مخصوص معاشرتی مصالح کی بناء پر خالق نے ان کو نسبتاً نازک پیدا کیا ہے۔ جب کہ مرد کے اندر پیدائشی طور پر شدت، تحکم اور ارادے کی پختگی پائی جاتی ہے۔ زندگی کے شدائد کا مقابلہ کرنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بھی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ جب دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی بناوٹ کے اعتبار سے فرق ہے تو ان کے درمیان عمل کے لحاظ سے بھی لازماً فرق ہونا چاہئے، اس میں فطری رعایت کرتے ہوئے ان کے ساتھ نرم روی کا حکم دیا گیا۔

مرد وعورت کی دو حیثیتیں:

حاصل یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کی دو دو حیثیتیں ہیں۔ مرد کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسانی کا ایک فرد اور معاشرے کا ایک عنصر ہے۔ اس لحاظ سے اس کے کچھ حقوق ہیں اور اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی اور کسی کا شوہر ہے۔ اس لحاظ سے اسے کچھ اضافی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور بہت کچھ اضافی ذمہ داریاں بھی اس پر عائد ہوتی ہیں۔

عورت کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ایک انسان اور بنی آدم کی رکن ہے، تو انسانیت کی بنیاد پر اسے کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں، اور اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ اولاد کی ماں، بھائیوں کی بہن، باپ کی بیٹی اور شوہر کی بیوی ہے، تو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کے ناطے سے کچھ اضافی حقوق بھی حاصل ہوتے ہیں اور کچھ اضافی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں کے نتیجے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں مردوں سے کم اور اس کے حقوق مردوں سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ماں کو باپ کے

مقابلے حسن سلوک کا زیادہ مستحق قرار دیا گیا اور بچیوں کی پرورش و پرداخت پر بچوں کے بالمقابل زیادہ اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اگر مرد وعورت کی مختلف حیثیتوں کو سامنے رکھ کر حقوق کا جائزہ لیا جائے تو حقوق نسواں کے حوالہ سے کوئی خلجان ذہن میں باقی نہیں رہے گا۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا تفصیلات کو نظر انداز کر کے یہ راگ الاپنا کہ اسلام میں مرد کے مقابلے عورت کے لیے امتیازی احکام اور ظالمانہ قوانین ہیں؛ سراسر ناانصافی ہے، صداقت پر ڈاکہ زنی اور حقیقت کو مسخ کرنا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ اوپر پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا۔ کہ اسلام نے امکانی حد تک مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کی ہے اور اگر کہیں دونوں صنفوں کے لیے الگ الگ قانون ہے تو کسی صنفی کمتری یا برتری کے لحاظ سے نہیں بلکہ محض ان کے حیاتیاتی فرق کے اعتبار سے یا دوسری فطری حقیقتوں اور اجتماعی وتمدنی مصالح پر مبنی ہے۔

اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ دونوں کی صنفی خصوصیات مجروح نہ ہوں، دونوں اپنی مخصوص صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لاسکیں اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے مخصوص فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔ اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب کہ دونوں میں سے کوئی نہ احساس برتری کا شکار ہو اور نہ احساس کمتری کا۔ دونوں اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کو سب سے عظیم ہستی تصور کرے، اس کی وفادار اور فرماں بردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے۔ اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے اور اپنے اوپر عائد ہونے والی گھریلو ذمہ داریوں کو ادا کرے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس سے محبت کرے اس کا قدر دان اور مونس وغم خوار بنے؛ اگر اس سے غلطی

سرزد ہوجائے تو چشم پوشی کرے، امام غزالیؒ نے اس کی خوب صورت تعبیر کرتے ہوئے فرمایاہے: **لیس حسن الخلق معها کفّ الأذی عنها بل احتمال الأذی و الحلم عند طیشها و غضبها.** (احیاءعلوم الدین۲/۳۹) کہ عورت کے ساتھ اچھے برتاؤ کے حکم کا تقاضہ صرف یہ نہیں ہے کہ مرد عورت کو اذیت نہ پہنچائے؛ بلکہ اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اسے برداشت کرے۔ صبر وتحمل اور دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے اور اس کی راحت رسانی کا خیال رکھے۔ اور اپنے اوپر عائد ہونے والی معاشی وخارجی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر زوجین میں کچھ فرق ہے تو وہ صرف ذمہ داریوں کی تقسیم پر مبنی ہے۔ تاکہ ایک فلاح یافتہ صالح خاندان اور ترقی یافتہ معاشرہ وجود میں آئے۔

جہاں تک انسانی مرتبہ اور بشری حقوق کی بات ہے تو اس لحاظ سے دونوں یکساں ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ربانی بالکل واضح ہے: **انّی لا اضیع عَمَل عامِلٍ منکُمْ من ذکَرٍ او انثی بعضکُم من بعض** (آل عمران:۱۹۵)

یعنی میں نہیں ضائع کرتا محنت کرنے والے کی محنت کو تم میں سے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب آپس میں ایک ہو۔

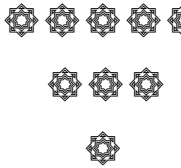

حقوق نسواں کے حوالے سے

اسلام اور مغرب کا تقابلی مطالعہ

''مغربی مفکرین'' اور ان کے ہم خیال طبقہ کی طرف سے بڑے شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے حقوق نسواں کا تحفظ نہیں کیا۔ اسلامی شریعت میں عورتوں کو انسانی حقوق سے محروم کردیا گیا، اسی وجہ سے مسلم معاشرہ میں خواتین کسمپرسی اور لاچاری کی زندگی بسر کررہی ہیں، اور ان کے انسانی حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔ یہ اور ان جیسے دوسرے بے بنیاد الزامات کی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ پروپیگنڈہ کی اس مہم میں بنیادی رول تو صہیونیت نواز مغربی میڈیا کا ہے؛ لیکن مشہور مقولہ: ''ہاتھی کے پیر میں سب کا پیر'' کے مطابق ہندوستانی ذرائع ابلاغ میں بھی اس طرح کے شرانگیز مواد کو جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس مہم کی کمان فرقہ پرست جماعت کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن کیا اس پروپیگنڈہ میں کچھ بھی حقیقت پسندی ہے؟ کیا ان الزامات میں صداقت کا بھی کوئی پہلو ہے؟ اس سوال کا حقائق کی روشنی میں سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیں، تو معلوم ہوگا کہ اس پروپیگنڈہ میں صداقت کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ محض عناد ہے۔ اس الزام کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام وہ واحد مذہب اور نظام معاشرت ہے؛ جس نے عورتوں کے لیے حقوق کا دروازہ کھولا، ان کی حق شناسی کی آواز بلند کی اور ان کو ایسے اعلیٰ قسم کے حقوق دیئے کہ مغرب حقوق کے اپنے بلند وبانگ نعروں کے باوجود آج تک ان کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پاسکا ہے۔ مسلم خواتین کو ایسے سیکڑوں مراعات حاصل ہیں، جنھیں مغربی خواتین

آزادئ نسواں کے تمام پرشکوہ نعروں کے باوجود، آج تک نہیں حاصل کرسکی ہیں۔ مسلم خواتین کو حقوق کے بیشتر میدانوں میں مغربی خواتین پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے۔ اس اہم ترین حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہم ذیل میں دو منظر نامے پیش کرتے ہیں جن سے یہ امر پوری طرح آشکارا ہو جائے گا کہ حقیقت میں حقوق نسواں کا تحفظ اسلام نے کیا ہے یا الحاد پسند مغرب نے؟

پہلا منظر نامہ:

۸/سال قبل سوئزرلینڈ کے ایوان زیریں نے ۲۷/فیصد کے مقابلے ۷۳/فیصد ووٹ سے ملک کے شادی ایکٹ میں چند ترامیم نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بعد از ترمیم نئے قانون میں خواتین کو جن حقوق کی ضمانت دی گئی ہے، ان میں بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) خواتین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لیے شادی کے بعد بھی اسی نام کو برقرار رکھیں جو اس کے والدین نے رکھا ہو، یا انھوں نے اپنے لیے منتخب کیا ہو اور وہ اپنے آپ کو شوہر کے نام سے موسوم نہ کریں یا شوہر کے نام کو اپنے نام کا جز نہ بنائیں۔

(۲) مرد کی طرح عورتوں کو بھی یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لیے پسند کے رشتے اور سسرالی گھرانے کا انتخاب کریں۔

(۳) زوجین میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوسرے کی واقعی آمدنی کے متعلق معلومات حاصل کرے۔

یہ جدید قانون مغرب میں حقوق نسواں کے حوالے سے نئی پیش رفت ہے ورنہ اب تک برطانیہ اور جرمنی وغیرہ مغربی ممالک میں اس طرح کے قوانین بالکل نایاب تھے۔ اس منظر نامہ سے جو بات واضح طور پر سامنے آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ۲۰/ویں صدی کی ۸/ویں دہائی میں پہنچ کر کہیں سوئز خواتین کے لیے یہ حق حاصل ہو پایا کہ شادی کے بعد بھی

وہ اپنے حقیقی نام کو برقرار رکھیں اور وہ بدستور اپنے پیدائشی نام سے پکاری جائیں، اس سے پہلے مغرب کے عام رواج کے مطابق یہ خواتین مجبور تھیں کہ وہ شوہر کے نام کو اپنے نام کا جز بنالیں اور اپنے خاندانی نام یا القاب کو حرف غلط کی طرح مٹا دیں مثلاً اگر شادی سے پہلے کسی خاتون کا نام ''موری ہارڈن'' ہوتا اور اس کے شوہر کا نام ''جان روکا'' ہوتا تو شادی کے بعد فوراً اسے اپنا نام ''موری روکا'' یا ''مسز روکا'' رکھنا پڑتا اور اپنے خاندانی لقب سے دست بردار ہونا پڑتا! اگر چہ سوئیز خواتین اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انھیں اس جبری قانون سے آزادی تو مل گئی اور انھیں اپنے لیے ''اسمی تحفظ'' کا حق تو حاصل ہو گیا؛ لیکن ان جیسی دوسری برطانوی اور جرمن خواتین بدستور اس قدیم اندھے قانون کو ماننے اور اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہیں! جس کی کچھ جھلکیاں یہ ہیں کہ:

اس سے پہلے سن ۱۵۶۷ء یعنی سولہویں صدی میں اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا کہ عورت کو کسی چیز کی ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ انگلستان کی پارلیمنٹ نے قانون پاس کیا، جس میں عورت کے لیے انجیل پڑھنا حرام قرار دیا۔ سن ۱۸۰۵ء تک انگلستانی قانون کی رو سے شوہر بیوی کو فروخت کرنے کا پورا اختیار رکھتا تھا۔ اسی طرح ۱۹۳۸ء میں فرانس میں عورتوں سے متعلق یہ قانون پاس کیا گیا کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے خاص مال میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتی اور نہ ہی اپنے لیے کوئی پیشہ اور مشغلہ اختیار کرسکتی ہے۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۴۳) مغرب میں حقوق نسواں کے حوالے سے یہ ایک منظر نامہ ہے۔

دوسرا منظر نامہ:

ذرا اس مغربی منظر نامہ سے ہٹ کر اسلامی منظر نامہ پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا، کہ وہ حقوق جو مغربی خواتین کو ۲۰ ویں صدی کے نصف آخر میں حاصل ہوئے ہیں، وہ

حقوق، مسلم خواتین کو اسی وقت سے حاصل ہیں جب کہ اسلام کا آفتاب عالم تاب آسمان دنیا پر طلوع ہوا، گذشتہ منظر نامہ میں جن حقوق کی وکالت کی گئی ہے، وہ سارے کے سارے اسلامی خواتین کو صدیوں سے پہلے حاصل ہیں۔ ہمیں اسلام کی روشن تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں قانونی طور پر کسی بھی خاتون کو شادی کے بعد اپنا نام بدلنے اور شوہر کے نام کو اپنے نام کا جز بنانے پر مجبور کیا گیا ہو، تمام مشہور اسلامی خواتین اپنے والد اور خاندان کے نام سے ہی موسوم ہوتی رہیں، اپنے شوہر کے نام سے نہیں۔ اسی طرح مسلم خواتین کو اپنے لیے پسندیدہ رشتے کے انتخاب کا حق بھی ۱۴؍سو سال پہلے سے حاصل ہے، چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیر شادی شدہ عورت (رشتے کے انتخاب کے سلسلے میں) اپنی ذات کی اپنے ولی کے مقابلے زیادہ حقدار ہے۔ (مسلم شریف ۱/۴۰۰) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اکرم ﷺ کے پاس آکر کہا کہ میرے والد نے میری ناپسندیدگی کے باوجود ایک شخص سے میرا نکاح کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نکاح منعقد نہیں ہوا، جاؤ اور جس سے نکاح کرنا چاہو کر سکتی ہو (سنن سعید ابن منصور) ایک اور روایت میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت کا نکاح اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس سے صریح اجازت نہ لے لی جائے اور باکرہ (کنواری) عورت کا نکاح بھی اس کے اذن کے بغیر درست نہیں ہے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اس کی اجازت کیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ خاموش رہے۔ (بخاری، مسلم، ۱/۴۱۰، ترمذی ۱/۲۱۰)

سوئزرلینڈ کے نئے قانون میں شوہر کے واقعی آمدنی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا جو حق بیوی کو دیا گیا ہے؛ اس میں بھی کوئی تجدد اور امتیاز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اسلامی خواتین کو شروع سے ہی نہ صرف یہ بلکہ اس سے اعلیٰ ترین حقوق حاصل ہیں؛ اس لیے کہ اسلامی شریعت میں بیوی پر مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس

کے پاس جتنا بھی مال کیوں نہ ہو کوئی اس سے زبردستی مال کا مطالبہ نہیں کر سکتا؛ بلکہ ہر حال میں اس کے شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کرے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو کھانا دینے اور انھیں کپڑا دینے کی ذمہ داری شوہر پر ہے رواج کے مطابق۔ ایک صحابی نے سوال کیا کہ ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو انھیں بھی کھانا کھلاؤ، جب تم کپڑا پہنو تو انھیں بھی پہناؤ اور اس کے چہرے پر مت مارو۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۱)

اس کے علاوہ اگر کوئی آنحضرت ﷺ کے ارشادات و تاکیدات اور ان عمومی احکامات پر نگاہ ڈالے جو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک سے متعلق ہیں؛ تو وہ یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حقوق نسواں کا تحفظ جتنا اسلام نے کیا ہے، اتنا دنیا کے کسی قانون نے نہیں کیا ہے لیکن یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام کی نظر میں حقوق کا ایک اعلیٰ تصور ہے، وہ عیاشی و فحاشی اور بے حیائی و بداطواری کو قطعاً حقوق کے زمرے میں داخل نہیں کرتا؛ عورتوں کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے چند معنی خیز ارشادات کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ منظر نامہ اور بھی واضح ہو سکے۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا سن لو! جس طرح تمہارے حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں، اسی طرح تمہارے اوپر بھی تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں۔ (ترمذی ۱/۲۲۰) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کی عزت وہی لوگ کرتے ہیں جو شریف ہیں اور عورتوں کی بے عزتی وہی لوگ کرتے ہیں جو کمینے ہوتے ہیں (ابن عساکر) اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: کہ دنیا کی کوئی بھی چیز نیک بیوی سے بڑھ کر نہیں ہے (ابن ماجہ) ایک جگہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو (ترمذی شریف)۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اس

لیے کہ اگر اسے بیوی کی کوئی خصلت ناپسند ہے تو وہ اس کی دوسری خصلت سے ضرور خوش ہو جائے گا۔ (مسلم ۱/۴۷۵)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کی غلام کی طرح بے رحمی سے پٹائی نہ کرے، اس لیے کہ بہت ممکن ہے رات میں اس سے جماع کرنے کی ضرورت پڑے، تو پھر اسے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ (بخاری: ۲/۷۸۴)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ اپنی بیوی کے حق میں سب سے زیادہ سخی اور حسن سلوک کرنے والا ہو (ترمذی)

نتیجہ:

یہ دو واضح منظر نامے ہیں، جن میں ایک کا تعلق مغرب سے ہے اور وہ وہاں خواتین کو ملنے والے حقوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اور دوسرے کا تعلق اسلام سے ہے۔ ان دونوں کی روشنی میں بہ آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حقوق کے میدان میں مسلم خواتین کو مغربی خواتین پر سبقت حاصل ہے۔ یا معاملہ اس کے برعکس ہے؟

خواتین خیر کا سرچشمہ ہیں

''ترقی پسندی'' کے اس دور میں جب خواتین کے حقوق اور ان کی ترقی کے حوالے سے کوئی بات کی جاتی ہے تو بالعموم اس بات کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ عورتوں کی حقیقی عظمت کس چیز میں ہے؟ کیا انھیں شمع محفل اور رونق بزم بنانے میں؛ جیسا کہ جدت پسندوں کا خیال ہے۔ یا انہیں چراغ خانہ اور گھر کی زینت بنانے میں؟ اسی طرح جب مغرب زدہ حلقے کی طرف سے خواتین کے سلسلہ میں اسلام کے خلاف حق تلفی و ناانصافی کا راگ الاپا جاتا ہے تو بھی سراسر مادیت پسندی کو سامنے رکھا جاتا ہے اور خواتین کی حقیقی عظمت واحترام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حقیقت پسندی کے ساتھ اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے خواتین کو بنیادی طور پر گھر کی زینت بنا کر ان پر ظلم و زیادتی نہیں کی؛ بلکہ عزت وعظمت اور رفعت و بلندی کے نقطہ انتہاء پر پہنچا کر انھیں نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ بنا دیا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات اور متعدد احادیث ان کی عظمت اور ان کے سرچشمۂ خیر ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: **و عَاشِرُوْاهُنَّ بِالمَعْرُوْفِ فان كَرِهتموا هُن فعسىٰ أن تَكْرَهوا شَيئاً و يَجْعَل اللّٰهُ فيه خَيْراً كثِيراً** (نساء ۱۹) یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور حسن سلوک کا معاملہ کرو، پھر اگر ان کی کوئی عادت تمہیں پسند نہ آئے، تو بھی تم صبر کرو؛ اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو، لیکن اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لیے خیر کثیر اور بڑی منفعت رکھ دے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں

کے ساتھ حسن معاشرت کو خیر کثیر کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مرد ثواب کی نیت سے اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہے، تو یہ عمل اس کے لیے موجب ثواب اور صدقہ شمار کیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے؛ تمہیں اس پر ضرور ثواب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر تم محبت سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالو گے تو اس عمل کا بھی تمہیں ثواب ملے گا۔ (بخاری)

(۳) حضرت ابوذر غفاریؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میاں و بیوی کے درمیان زن وشو کے تعلقات قائم کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ ابوذرؓ نے دریافت کیا کہ حضورؐ! کیا ہم میں سے کوئی بیوی کے ساتھ اپنی شہوت پوری کرے گا، تو بھی اسے ثواب دیا جائے گا؟ آں حضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی حرام طریقے پر شہوت کی تکمیل کرتا تو کیا اس کی وجہ سے اسے گناہ نہیں ہوتا؟ ظاہر ہے کہ ضرور ہوتا۔ لہذا جب اس نے جائز طریقے سے اپنی شہوت پوری کی تو اسے اس کا ثواب بھی ملے گا۔ (مسلم)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس کوئی مؤنث یعنی بیٹی یا بہن وغیرہ ہو اور اس نے اس کو زندہ درگور نہ کیا ہو اور اس کی توہین و تذلیل بھی نہ کی ہو اور نہ ہی محبت اور برتاؤ میں اپنی مذکر اور نرینہ اولاد کو اس پر ترجیح دی ہو تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے نتیجے میں اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

(۵) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین بچیوں یا اتنی ہی بہنوں کی پرورش کی۔ اور اس کے ساتھ رحم دلی کے ساتھ پیش آیا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گئے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب فرما دیں گے۔ (شرح السنۃ)

مذکورہ صحیح احادیث میں عورتوں کی غیر معمولی عظمت وفضیلت کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز ایسے حقیقی عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے؛ جن کے نتیجے میں خاندان و معاشرہ کے دو اہم ستون یعنی میاں و بیوی اور ان کے تابع افراد یعنی بچے، بچیاں، بہن وغیرہ بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں۔ ساتھ ہی مذکورہ نصوص، میاں و بیوی کے درمیان رونما ہونے والے پیچیدہ قسم کے گھریلو اختلافات کی پیش بندی بھی کر رہی ہیں؛ جن کی وجہ سے بالعموم طلاق اور نتیجتاً گھر، خاندان اور بچوں کی بربادی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان احادیث کے ذریعہ خواتین کو عزت وعظمت کے اس بلند مقام تک پہنچا دیا گیا؛ جن کے ابتدائی زینوں کو بھی آزادی نسواں اور حقوق نسواں کی علم بردار کہلانے والی کوئی بھی تنظیم عبور نہیں کر پائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کی اس قدر عزت افزائی کی اور ان کے مراتب کو اتنا بڑھایا کہ نہ صرف یہ کہ ان کے تمام تر اخراجات کی ذمہ داری اس کے شوہر یا اس کے والد اور بھائی پر عائد کر دی گئی؛ بلکہ ان کے اخراجات کو برداشت کرنے کے ساتھ خرچ کرنے والوں کو ان کی تکریم وتعظیم پر بھی آمادہ کیا گیا اور اس تعظیم وتکریم کو رضائے الٰہی کا سبب اور اجر وثواب کا ذریعہ بنایا گیا۔ اس لیے کہ عین ممکن تھا کہ مرد جب اپنی بیوی، بچی اور بہن کے حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو ادا کرتا؛ تو اس میں احساس برتری پیدا ہو جاتی اور وہ ایک قسم کی تعلّی کا شکار ہو کر ان پر احسان جتانے لگتا۔ لیکن شریعت نے اس کے احساسات کا رخ موڑ دیا اور بیوی، بہن اور بیٹیوں پر ہونے والے اخراجات کو اجر وثواب کا ذریعہ قرار دے کر یہ سبق بھی دے دیا کہ اگر تم خدا کی رضا چاہتے ہو اور اپنے رب کی خوشنودی تمھیں عزیز ہے؛ تو خبردار عورتوں پر

احسان مت جتاؤ! بلکہ تمھارا یہ عمل ثواب کے اعتبار سے صدقہ کے مانند ہے۔ اور صدقہ کے بارے میں خدائی قانون ہے: لا تُبطلوا صَدَقَاتکُم بالمنّ و الأذی (بقرہ ۲۶۴) کہ تم اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل اور اکارت مت کرو۔ ظاہر ہے کہ اگر مرد شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھے تو وہ کبھی بھی نہ تو بیوی اور بیٹیوں پر احسان جتلائے گا اور نہ ہی اسے اذیت میں مبتلا کرے گا، بلکہ ہر حال میں اس کی عزت و احترام کا خیال رکھے گا۔

اس کی تاکید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو کچھ بھی خرچ کروگے تو تمھیں اس پر ضرور ثواب دیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالوگے تو اس پر بھی تمہیں اجر و ثواب دیا جائے گا۔ (بخاری)

اس حدیث میں جس طرح مردوں کو بیویوں کے اخراجات برداشت کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے، اسی طرح میاں و بیوی کے درمیان الفت و محبت کا رشتہ مضبوط کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ کیوں کہ جب شوہر حصول ثواب کی غرض سے مال کمائے گا اور اس سے بیوی کی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ محبت سے اس کے منہ میں لقمہ ڈالے گا تو یقیناً ان کی محبت میں اضافہ ہوگا، چاہت اور الفت بڑھے گی۔ دل کی گہرائیوں سے ایک دوسرے کی قدر کریں گے۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام ہو اور کبھی بھی ان کے درمیان اختلاف و انتشار اور لڑائی و جھگڑے کی نوبت نہیں آئے گی۔ مذکورہ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بیوی کے ساتھ ایسے مشاغل میں شریک ہونا؛ جس سے آپس کی محبت میں اضافہ ہو نہ صرف یہ کہ جائز؛ بلکہ ممدوح ہے۔ اس کی تائید ازواج مطہرات کے ساتھ حضور ﷺ کے حسن معاشرت سے ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ آپ کا برتاؤ انتہائی محبت، دلداری اور دل جوئی کا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کہ میں رسول اللہ کے پاس آجانے کے باوجود بھی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ

کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں؛ جو ساتھ کھیلنے کے لیے میرے پاس آیا جایا کرتی تھیں؛ تو جب آنحضرتؐ تشریف لاتے تو وہ آپ کے احترام میں کھیل چھوڑ کر گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپؐ ان کو میرے پاس بھیجوا دیتے۔ چنانچہ پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (بخاری، ابن ماجہ ۶۳۷) ظاہر ہے کہ بیوی کی دل داری کی یہ انتہائی اعلی مثال ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا، میں جیت گئی اور آگے نکل گئی۔ اس کے بعد جب فربہی سے میرا جسم بھاری ہوگیا؛ تو اس زمانے میں بھی ایک دفعہ ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اس وقت آپ نے فرمایا یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہوگیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ ۶۳۶) بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلی مثال ہے۔

دوسری طرف آزادئ نسواں اور حقوق نسواں کی نام نہاد تحریکوں پر نظر ڈالی جائے تو وہاں عورتوں کے لیے عزت و احترام نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ معاش کے نام پر بعض مادی حصولیابیاں تو ضرور نظر آتی ہیں کہ: خواتین مردوں کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ کام کرنے لگیں۔ اور مردوں کے قدم بقدم پارکوں اور تفریح گاہوں میں سیر کرنے لگیں؛ فحاشی و عیاشی اور بے پردگی و عریانیت کے مناظر میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ لیکن انھیں ان کا صحیح مقام دلانے میں یہ تحریکیں بری طرح ناکام ہوگئیں۔ بلکہ تمام تر بلند و بانگ نعروں کے باوجود آج تک ان کے کام کا صحیح معاوضہ اور مردوں کی طرح ان کے عمل کی مناسب اجرت بھی نہیں مل پاتی ہے۔ ہر مالک اور ڈائرکٹر محض مادی نقطۂ نظر سے خواتین کو اپنی کمپنی، فرم، مکان اور ہوٹل وغیرہ میں ملازمت دیتا ہے۔ اس کا خیال تو قطعاً کسی کے دل و دماغ میں نہیں آتا کہ اپنے دائرۂ اختیار میں خواتین کو کام کا موقع دینے کی وجہ سے اسے اجر و ثواب ملے گا؛ بلکہ خاتون ملازمہ عام کارندوں کی طرح ایک کارندہ ہوتی ہے۔ یا اس سے بھی کم تر درجہ رکھتی

ہے۔عام طور پر اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔کبھی کبھی افسران بالا کی طرف سے جنسی زیادتیوں کا شکار بھی بننا پڑتا ہے۔کچھ دنوں قبل خواتین کی ایک تنظیم کے تحت ایک سروے کرایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ۵۸% خواتین مالکوں یا افسران بالا کی جنسی زیادتی کا شکار بنتی ہیں۔

غور کیا جائے کہ دونوں حیثیتوں میں کون سی خواتین کے لیے باعث عزت واحترام ہے؟ کیا یہ کہ وہ گھر سے باہر کام کرتی رہیں اور مہینہ کے اخیر میں اپنی تنخواہ اور حق المحنت وصول کریں اور دوران عمل ڈائرکٹر و مالک کی ناز برداری کرتی رہیں اور اس کے احسان جتلانے کو انگیز کرتی رہیں۔نیز ہر وقت معطّل کیے جانے کا خطرہ بھی دامن گیر رہے۔پھر جب وہ دفتر کے کام سے فارغ ہو کر گھر پہنچیں تو وہاں بھی گھر کے بہت سارے کام اس کے منتظر ہوں! یا یہ کہ وہ اطمینان سے گھر میں رہیں، اس کے اخراجات اور ضروریات کا کفیل شوہر ہو اور وہ لوگوں کی نگاہ میں عزت واحترام سے دیکھی جائے، نہ اس پر کسی کا احسان ہو نہ کسی کا دباؤ۔اور وہ گھر کی ملکہ بن کر بچوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری میں مصروف رہیں۔ظاہر ہے کہ ثانی الذکر حیثیت ہی عورت کے شایان شان کہی جاسکتی ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات بھی پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بیوی شوہر کے لیے خیر کا ایسا سرچشمہ ہے، جو خشک نہیں ہوتا، کیوں کہ جب شوہر اپنے ذمہ واجب الاداء بیوی کے نفقہ پر اپنا مال خرچ کرے گا تو بھی اسے ثواب دیا جائے گا، جب بیوی کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائے گا یا اس کے منہ میں لقمہ ڈالے گا تو اس پر بھی اسے اجر ملے گا اور جب وہ اپنی شہوت کی تکمیل کے لیے بیوی سے ہمبستری کرے گا تو بھی ماجور ہوگا۔تو پھر کیا وجہ ہے کہ شوہر اس کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرے گا۔اور کیوں اس کی عزت واحترام نہیں کرے گا؟ جب کہ یہی وہ ذات ہے، جسے شریعت اسلامیہ نے اجر وثواب کا منبع اور خیر کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔اور اس سے خیر کے بہت سارے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں۔اسی طرح ایک باپ جب اپنی بیٹیوں اور بھائی اپنی بہنوں کی پرورش کرے گا تو بھی اسے ثواب ملے گا،

جب اس کی ضروریات کی تکمیل کرے گا تو بھی اجر کا مستحق ہوگا اور جب اس کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کرے گا، انھیں محبت وشفقت بھری نظروں سے دیکھے گا تو بھی ماجور ہوگا۔تو بالیقین خوشی ومسرت کے ساتھ ان کی کفالت کرے گا؛ کیوں کہ یہی وہ افراد ہیں جو اس کے لیے جنت کی ضمانت ہیں۔

اس کے برعکس یہی وہ صنف ہے، کہ دوسرے مذاہب اور قوموں نے اس کی اس قدر توہین اور تذلیل کی جو تاریخ کا شرمناک باب ہے، یونانیوں نے اسے عالم کے لیے مصیبت و بلا قرار دیا۔لاطینیوں نے اسے ایسا خوبصورت شیطان قرار دیا جس سے زہریلی مسرتیں پھوٹتی ہیں۔جاہلی عرب نے عورت کے وجود کو اپنے لیے باعث ننگ وعار قرار دے کر اسے زندہ درگور کر دیے جانے کا مستحق ٹھہرایا۔قدیم افریقی افسانوں میں اسے دنیا کی تمام تر مصیبتوں اور پریشانیوں کا بنیادی سبب بتایا گیا۔ہندوستان کے قدیم نوشتوں میں اسے دنیا کی ذلیل سے ذلیل ترین چیزوں، وبا وآفت، موت، آگ، سانپ وغیرہ سے بھی بدتر قرار دیا گیا۔اور محرف شدہ تورات میں اسے موت سے زیادہ کڑوی چیز، اس کے وجود کو پنجڑا، اس کے قلب کو جال اور اس کے دونوں ہاتھ کو قید خانہ بتایا گیا۔(تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی مایہ ناز تصنیف ''المرأۃ بین الفقہ والقانون'' اور ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'')

ایسی حالت میں وہ صنف، جسے قوموں نے مس خام سمجھا تھا اگر اسلام نے اسے کندن بنا کر نیکیوں کا منبع اور خیر کا سرچشمہ قرار دے دیا تو اس سے بڑھ کر اس کی عزت افزائی اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور ان نازک طبع مظلوموں کو جنھیں کوتاہ فہم انسانوں نے قدموں کا دھول سمجھ رکھا تھا: اگر اسلام نے انھیں دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ قرار دے کر، رفعت و بلندی میں رشک فلک بنا دیا؛ تو اس سے زیادہ عدل وحق شناسی اور کیا ہوسکتی ہے؟

❁ ❁ ❁